عید مبارک
حسن معاشرت، علم وعمل کی فضیلت
امیر تنظیم اسلامی کا پیغام عید
چوں کفر از کعبہ برخیزد......
ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
عید الفطر: شکرانے کا جشن
چیچنیا میں اسلام
اسلام آباد کی اشرافیہ اور طالبان
دعوتی وتربیتی سرگرمیاں

پھر بھی توبہ نہیں کرتے!

رمضان کے مبارک ایام میں اپنے ایمانی واخلاقی معیار کو بلند کرنے اور تمام دینی امور پر بھرپور توجہ کے ساتھ ہمارے لیے ضروری ہے کہ اپنے زوال کے مسئلہ پر غور وفکر کریں۔ انفرادی سیرت اور ذاتی رویوں کی اصلاح کریں۔ ملی یکجہتی اور ثقافتی وحدت کے لیے ایثار واطاعت کی خو پیدا کریں۔ اللہ تعالیٰ سے امیدیں باندھیں، دعائیں کریں کہ ہمارے حالات کو سنوار دے، قرآن وسنت کی بنیاد پر اتفاق رائے کے لیے توفیق و سازگاری عطا فرمائے۔ باہمی نزاع واختلاف، لڑائی جھگڑے، لوٹ مار، کشت وخون، فساد وغارت گری کا بازار جو گرم ہو گیا ہے، ندامت کے آنسوؤں سے اور عملی رویوں سے اس کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کریں۔ اس وقت ہمارے اطراف میں جو حالات رونما ہوئے ہیں یا پائے جا رہے ہیں، ان میں بہت کچھ ہماری سیاہ بختیوں اور بداعمالیوں کا دخل ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارا حال ان لوگوں جیسا ہو جائے جن کے بارے میں قرآن نے کہا ہے:

> ”کیا یہ دیکھتے نہیں کہ ہر سال ایک یا دو بار کسی نہ کسی فتنے میں یہ مبتلا کیے جاتے ہیں پھر بھی توبہ نہیں کرتے اور نہ نصیحت قبول کرتے ہیں۔“ (التوبہ:126)

یہ صورت حال بڑی حد تک مسلمانوں پر صادق آ چکی ہے۔ ہر طلوع ہونے والا دن ایک نئی مصیبت اور ایک خوفناک چیلنج لے کر نمودار ہو رہا ہے مگر ہمارے علماء، خواص، لیڈر، تجزیہ نگار و پالیسی ساز کوئی عبرت نہیں پکڑتے، اللہ سے لو نہیں لگاتے، اس سے نصرت وبصیرت کے طلب گار نہیں بنتے، عوام کو اللہ کی کتاب کے مطابق رہنمائی فراہم نہیں کرتے۔ اپنی عقل پر، طاغوت کی عنایت پر، اپنے آنکڑوں اور میزائیلوں پر، سیکولر اقدار کی پذیرائی پر، غیر اللہ کی دہائی اور بے معنی فغان وفریاد پر تکیہ کیے ہوئے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ اداسیوں کی کہر اور مایوسیوں کی دھند گہری ہوتی جا رہی ہے۔ ہر تدبیر الٹی پڑ رہی ہے۔

روزہ اور قرآن

عبدالعزیز سلفی فلاحی

سورۃ الاعراف

(آیات:3تا5)

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

﴿اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ۝ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝﴾

”(لوگو) جو (کتاب) تم پر تمہارے پروردگار کے ہاں سے نازل ہوئی ہے اُس کی پیروی کرو اور اس کے سوا اور رفیقوں کی پیروی نہ کرو۔ (اور) تم کم ہی نصیحت قبول کرتے ہو۔ اور کتنی ہی بستیاں ہیں کہ ہم نے تباہ کرڈالیں جن پر ہمارا عذاب (یا تو رات کو) آتا تھا جبکہ وہ سوتے تھے یا (دن کو) جب وہ قیلولہ (یعنی دو پہر کو آرام) کرتے تھے۔ تو جس وقت اُن پر عذاب آتا تھا اُن کے منہ سے یہی نکلتا تھا کہ (ہائے) ہم (اپنے اُوپر) ظلم کرتے رہے۔“

اب یہاں خطاب لوگوں سے ہے کہ اس چیز کی پیروی کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور اس کے سوا کسی اور کو اولیاء بنا کر، کسی کو نداور ضد بنا کر اس کی پیروی نہ کرو۔ ہاں، تم کم ہی نصیحت حاصل کرتے ہو۔

اس سورت کا عمود...... ایام اللہ ہے یعنی گزشتہ اقوام کے حالات کا تذکرہ۔ لہٰذا شروع میں ہی کہا جا رہا ہے کہ کتنی ہی بستیاں ایسی ہیں جنہیں ہم نے ہلاک کیا۔ یہ ہلاکت دن رات کے مختلف اوقات میں ہوئی۔ اُن پر ہمارا عذاب رات کے وقت آیا، یا اُس وقت آیا جب وہ دوپہر کو قیلولہ کر رہے تھے۔ یہ قوم نوحؑ، قوم ہود، قوم صالحؑ، قوم ثمود، قوم شعیبؑ اور عامورہ اور سدوم کی بستیوں کی طرف اشارہ ہے۔

یہ لوگ غفلت میں ڈوبے ہوئے ہوتے تھے، اُن پر کوئی وعظ ونصیحت اثر نہ کرتی تھی، انہیں ہوش اُس وقت آتی، جب عذاب کے شکنجے میں آجاتے تھے۔ فرمایا، جب ان قوموں پر عذاب آیا تو اُن کی چیخ وپکار اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ ہائے ہماری شامت! ہم ہی ظالم تھے۔ ہم نے خود اپنے اوپر ظلم ڈھایا ہے، واقعتاً ہمارے رسولوں نے تو ہماری آنکھیں کھولنے کی پوری کوشش کی تھی۔

فرمان نبوی

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

سب سے اچھی اور سب سے بُری جگہیں؟

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ:((اَحَبُّ الْبِلَادِ اِلَی اللّٰہِ مَسَاجِدُھَا وَاَبْغَضُ الْبِلَادِ اِلَی اللّٰہِ اَسْوَاقُھَا))(رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”شہروں اور بستیوں میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ان کی مسجدیں ہیں اور سب سے زیادہ مبغوض ان کے بازار اور منڈیاں ہیں۔“

تشریح: انسان کی زندگی کے دو پہلو ہیں۔ ایک ملکوتی وروحانی، یہ نورانی اور لطیف پہلو ہے، اور دوسرا مادی وبہیمی جو ظلماتی اور کثیف پہلو ہے۔ ملکوتی وروحانی پہلو کا تقاضا اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے ذکر جیسے مقدس اشغال واعمال ہیں۔ انہی سے اس پہلو کی تربیت وتکمیل ہوتی ہے اور انہی کی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ومحبت کا مستحق ہوتا ہے، اور ان مبارک اشغال واعمال کے خاص مراکز مسجدیں ہیں، جو ذکر وعبادت سے معمور رہتی ہیں اور اسی وجہ سے ان کو ”بیت اللہ“ سے ایک خاص نسبت ہے۔ اس لیے انسانی بستیوں اور آبادیوں میں سے اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں سب سے زیادہ محبوب یہ مسجدیں ہی ہیں۔ اور بازار اور منڈیاں اپنے اصل موضوع کے لحاظ سے انسانوں کے مادی وبہیمی تقاضوں اور نفسانی خواہشوں کے مراکز ہیں اور وہاں جا کر انسان عموماً خدا سے غافل ہو جاتے ہیں اور ان کی فضا اس غفلت اور منکرات ومعصیات کی کثرت کی وجہ سے ظلماتی اور مکدر رہتی ہے، اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں انسانی آبادیوں کا سب سے زیادہ مبغوض حصہ ہیں۔

"تا خلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب وجگر"

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ لاہور

ندائے خلافت

جلد 17 | 25 ستمبر تا یکم اکتوبر 2008ء | 24 تا 30 رمضان المبارک 1429ھ | شمارہ 39

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

مجلس ادارت

سید قاسم محمود۔ ایوب بیگ مرزا
سردار اعوان۔ محمد یونس جنجوعہ
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد طابع: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس ' ریلوے روڈ لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:

67-اے علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو لاہور۔ 54000
فون: 6366638 - 6316638 فیکس: 6271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔ 54700
فون: 03-5869501

قیمت فی شمارہ 10 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک......300 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا---------------(2000 روپے)
یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ' منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں
چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی رائے سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ
ایوب بیگ مرزا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عید مبارک

عید کے لغوی معنی چاہے کچھ بھی ہوں، بار بار لوٹ آنے والا دن یا خوشیوں کے بار بار لوٹنے کا دن، لیکن برصغیر میں اِس دن کو بلا امتیاز مذہب انتہائی خوشی اور خوش نصیبی سے منسوب کیا جاتا رہا ہے۔ جب ہندوستان میں فارسی کا طوطی بولتا تھا، سرکاری زبان فارسی تھی، اچھی فارسی لکھنا پڑھنا ادبیت یا دانشوری کا سراغ دیتی تھی تو خوش فہم قسم کے سائلوں کو یہ جواب بھی سننا پڑتا تھا "ہر روز عید نیست کہ حلوہ خوردن"۔ پھر جب شاہ جہاں نے عربی، فارسی، ہندی اور پنجابی کا مصالحہ ڈال کر اُردو نامی چاٹ تیار کی تو خوشی اور عید ایک ہی معنی رکھنے والے الفاظ ٹھہرے۔ جب فارسی زبان کا دیس نکالا ہوا تو اُردو کی عید ہوگئی۔ شاید اس لشکری زبان کا اثر ہے کہ پاکستان نے اِسے قومی زبان قرار دیا تو طالع آزماؤں نے جمہوری حکومتوں پر شب خون مارنا اپنا قانونی حق جانا۔ بہرحال اُردو کا ذکر تو جملہ معترضہ کے طور پر آ گیا تھا، بات عید کی ہو رہی تھی۔ عید کیا ہے؟ یہ آخرت کے لیے محنت کرنے والوں کا دُنیوی اجر ہے۔ علاوہ ازیں اِس میں اندرونی سکون اور روحانی خوشی کی صورت میں اُخروی اجر کی معمولی جھلک بھی موجود ہے جو روزہ دار پر ظاہر کی جاتی ہے۔ اِسے عید الفطر کہا جاتا ہے۔ فطرہ بندوں کا حق ہے اور دوگانہ نماز اللہ رب العزت کا شکر ادا کرنا ہے کہ اُس کی توفیق سے رمضان المبارک کے روزے رکھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ فطرانہ نمازِ عید سے پہلے ادا کرنا ہوگا۔ گویا اللہ رب العزت نے اپنے غریب اور نادار بندوں کے حق کو اپنے حق (نماز دوگانہ) پر فائق کر دیا۔ عید کے روز چھوٹی بچیوں کا گانا بجانا اور شرعی حدود کے اندر کھیل تماشا دیکھنے کو بھی سندِ نبوی حاصل ہے۔ روزہ قربِ الٰہی کے حصول کا انتہائی اہم ذریعہ ہے۔ حدیثِ نبویؐ ہے کہ "روزہ میرے لیے ہے اور میں خود اُس کی جزا دوں گا"۔ بعض علماء نے اِس حدیث کا ترجمہ یوں بھی کیا ہے کہ "روزہ میرے لیے ہے اور میں خود اِس کی جزا ہوں" یعنی روزہ دار کو میں مل جاؤں گا۔ اِس ترجمہ میں بہرحال اِس لحاظ سے وزن ہے کہ جزا تو ہر نیکی کی اللہ ہی دے گا تو پھر روزہ کی حیثیت منفرد کیسی ہوئی۔ واللہ اعلم!

اب آیئے اِس طرف کہ ایک عام مسلمان کے لیے یہ مسئلہ ناقابل فہم ہے کہ صرف رمضان المبارک کے روزے ہی نہیں تمام عبادات کے حوالہ سے اگر ہم چالیس پچاس سال پہلے پر نگاہ ڈالیں تو صرف تعداد کے لحاظ سے ہی نہیں نسبت وتناسب کی شرح کے حوالہ سے بھی بہت بہتری نظر آتی ہے۔ رمضان المبارک میں صبح کو ہوٹل سنسان اور ویران ہی نہیں مقفل بھی ہوتے ہیں۔ مسجدیں نمازیوں کا بوجھ سنبھالنے سے قاصر نظر آ رہی ہوتی ہیں۔ عمرہ اور حج میں انسانوں کا شمار کرنا انتہائی مشکل ہے۔ تبلیغی اجتماعات میں حاضری اور دینی جماعتوں کی بھاگ دوڑ حیران کن حد تک زیادہ ہے۔ نصف صدی پہلے محلے کی مسجد کے مولوی نے داڑھی رکھی ہوئی تھی یا گھر کے بوڑھے نے۔ آج کالج اور یونیورسٹیوں میں آپ کو سینکڑوں کالی کالی گھنی داڑھیاں نظر آئیں گی، لیکن نتیجہ کے اعتبار سے معاملہ بالکل برعکس نظر آتا ہے۔ اِس ساری کارگزاری کے باوجود اللہ کا قرب حاصل ہونا تو دور کی بات ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بارگاہِ خداوندی سے ہم رد کر دیے گئے ہیں اور مغضوب علیہ ہیں۔ غضب الٰہی کا شکار ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ہم پر بھوک اور خوف مسلط کر دیا گیا ہے۔ صدی کا بدترین زلزلہ ارضِ پاکستان میں آیا ہے۔ ہم گروہی، نسلی، علاقائی اور طبقاتی سطح پر تقسیم ہو کر باہم دست وگریباں ہیں۔ فوج عوام سے وسائل حاصل کر کے عوام پر ہی گولہ بارود کی بارش کر رہی ہے۔ یعنی ہر قسم کا عذاب ہم پر نازل ہو رہا ہے۔ عجیب بات ہے ہم اللہ کی عبادت میں اضافہ کر رہے ہیں، اور اللہ ہم پر عذاب نازل کر رہا ہے۔ کیا اللہ ہم پر ظلم کر رہا ہے؟ (معاذ اللہ) نہیں نہیں ہرگز ایسا نہیں ہے۔ ہم اس پر اِس سے زیادہ تبصرہ نہیں کریں گے کہ اللہ کفر سے زیادہ منافقت سے نفرت کرتا ہے اور جہنم کی بدترین وادی کافروں کے لیے نہیں منافقوں کے لیے مخصوص ہے۔ اللہ ہم پر رحم کرے، (باقی صفحہ 18 پر)

پیر و مرید

[بالِ جبریل]

مریدِ ہندی

گرچہ بے رونق ہے بازارِ وجود	کون سے سودے میں ہے مردوں کا سُود؟

پیرِ رومی

زیرکی بفروش و حیرانی بخر!	زیرکی ظن است و حیرانی نظر!

مریدِ ہندی

ہم نفس میرے سلاطیں کے ندیم	میں فقیرِ بے کلاہ و بے گلیم!

پیرِ رومی

بندۂ یک مردِ روشن دل شوی	بہ کہ برفرقِ سرِ شاہاں روی!

مریدِ ہندی

اے شریکِ مستیِ خاصانِ بدر	میں نہیں سمجھا حدیثِ جبر و قدر

پیرِ رومی

بال بازاں را سوئے سلطاں برد	بال زاغاں را بگورستاں برد

1۔ مرید کہتا ہے کہ اگرچہ دنیا کا بازار بے رونق ہے، یعنی دنیا کی پونجی بہت حقیر اور بے ثبات ہے، لیکن انسان کو بہرحال اِس دنیا میں زندگی گزارنی ہے۔ اس لیے میں دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ اِس فانی دنیا میں کون سی چیز ایسی ہے جس کا حصول انسان کے لیے مفید ہوسکتا ہے؟

پیرِ رومی جواب دیتے ہیں کہ اگر تم اِس بازار میں خرید و فروخت کے آرزومند ہو تو میری نصیحت یہ ہے کہ زیرکی (عقل) فروخت کرو اور حیرانی (عشق) خرید لو، کیونکہ عقل کی بدولت صرف گمان (قیاس) حاصل ہوسکتا ہے، لیکن عشق تمہیں یقین (معرفت) عطا کرسکتا ہے، اور ہر شخص جانتا ہے کہ یقین گمان سے بہتر اور برتر ہے۔

2۔ مرید کہتا ہے، میرے تمام رفقاء اور ہم جلیس تو بادشاہوں اور امراء کے مصاحب بن گئے ہیں، ایک میں ہی ایسا فرد ہوں، جس کا سر کلاہ اور جسم لباس سے بھی محروم ہوئے۔ آخر اِس کی کیا وجہ ہے؟

پیرِ رومی جواب دیتے ہیں کہ بادشاہوں کی ہم نشینی اور دنیاوی جاہ و جلال سے یہ بات بدرجہا بہتر ہے کہ انسان کسی عارفِ کامل کی غلامی اختیار کرے، کیونکہ بادشاہوں کی قربت بسا اوقات ذلت کا باعث ہوتی ہے، لیکن خاصانِ خدا کی صحبت، ہمیشہ موجبِ سعادت ہوتی ہے۔ تاریخ عالم میں وزراء کی تذلیل کی تو بہت سی مثالیں مل سکتی ہیں، لیکن اللہ اپنے بندوں کو کبھی ذلیل و رسوا نہیں کرتا۔ یہ بات سنت الٰہی کے خلاف ہے۔

3۔ مریدِ لاہوری اپنے پیرِ رومی سے درخواست کرتا ہے کہ آپ مجھے حدیثِ جبر و قدر سمجھا دیجیے۔ انسان مجبور ہے یا مختار؟ واضح ہو کہ اقبال نے اپنے سوال کے پہلے مصرعے میں پیرِ رومی کو ''شریکِ مستیٔ خاصانِ بدر'' قرار دیا ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بھی اُن صحابہ کرامؓ کی طرح جو غزوۂ بدر میں شریک ہوئے تھے، عشقِ رسول ﷺ میں سرشار ہیں۔

پیرِ رومی جواب دیتے ہیں کہ باز اور زاغ (کوّا) کی زندگی پر غور کرنے سے یہ مسئلہ حل ہوسکتا ہے۔ باز اور زاغ دونوں کو اللہ نے یکساں پرواز کی طاقت عطا فرمائی ہے، یعنی زورِ بازو وہ عطیہ الٰہی ہے جس میں یہ دونوں یکساں شریک ہیں، اور دونوں کی فطرت انہیں اُڑنے پر مجبور کرتی ہے، یعنی اِس لحاظ سے دونوں مجبور ہیں۔

لیکن باز عالی ہمت اور بلند حوصلہ ہے، اس لیے وہ اپنے پروں سے اُڑ کر، بادشاہ کے ہاتھ پر جا بیٹھتا ہے، اور زاغ چونکہ پست ہمت اور بے حوصلہ ہے، اس لیے قبرستان کی طرف جاتا ہے، یعنی مُردار کھاتا ہے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ اپنی اپنی طرزِ حیات کے انتخاب میں دونوں مختار ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان بعض معاملات میں مجبور ہے، اور بعض معاملات میں مختار ہے، مثلاً ہر شخص اپنی فطرت کے لحاظ سے مجبور ہے، لیکن کسب (اعمال) کے اعتبار سے مختار ہے، اور مدح و قدح یا جزا و سزا، اسی کسب (اعمال) پر مرتب ہوتی ہے۔

اقبال نے اپنے سوال کے پہلے مصرعے میں پیرِ رومی کو ''مستیٔ خاصانِ بدر'' میں شریک کرکے، بلیغ انداز میں جبر و قدر کی اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ غزوۂ بدر میں حضرت علیؓ اور ابوجہل دونوں بغرضِ قتال آئے تھے، لیکن اوّل الذکر کا فعل محمود ہے۔ آخر الذکر کا فعل مذموم ہے۔ محض اس لیے کہ اللہ نے ہر شخص کو تلوار کے استعمال میں مختار بنایا ہے، خواہ اسے اسلام کی حمایت میں اُٹھائے، خواہ کفر کی تائید میں اُٹھائے۔

حسنِ معاشرت اور علم و عمل کی اہمیت

حدیثِ رسولؐ کی تشریح و توضیح

مسجد جامع القرآن، قرآن اکیڈمی، لاہور میں بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کے خطاب جمعہ کی تلخیص

[آیات قرآنی کی تلاوت، حدیث زیر درس کے بیان اور خطبہ مسنونہ کے بعد]

حضرات! معاشرے کے استحکام کے لیے جو چیز مطلوب ہے، وہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں باہمی محبت، اخوت، ہمدردی اور نصرت وحمایت کا مضبوط رشتہ اور تعلق ہو۔ بعض چیزیں ایسی ہیں جو اِس تعلق کو کمزور کرنے والی، باہمی فاصلے پیدا کرنے والی اور ایک دوسرے کے خلاف نفرت وکدورت کو جنم دینے والی ہیں۔ اِن چیزوں سے ہم مسلمانوں کو سختی سے منع کیا گیا ہے، جیسا کہ سورۃ الحجرات میں فرمایا:

"مومنو! کوئی قوم کسی قوم سے تمسخر نہ کرے۔ ممکن ہے کہ وہ لوگ اُن سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں سے (تمسخر کریں)، ممکن ہے کہ وہ اُن سے اچھی ہوں۔ اور اپنے (مومن بھائی) کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کا بُرا نام رکھو۔ ایمان لانے کے بعد بُرا نام (رکھنا) گناہ ہے۔ اور جو توبہ نہ کریں وہ ظالم ہیں۔ اے اہل ایمان! بہت گمان کرنے سے احتراز کرو کہ بعض گمان گناہ ہیں۔ اور ایک دوسرے کے حال کا تجسس نہ کیا کرو اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ اس سے تو تم ضرور نفرت کرو گے (تو غیبت نہ کرو) اور اللہ کا ڈر رکھو، بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔"

(آیات: 11، 12)

اِسی طرح مسلم شریف کی ایک روایت میں بھی ہمیں اسلامی اخوت کو کمزور کر دینے والی باتوں سے روکا گیا ہے۔ سیدنا ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ایک دوسرے پر حسد نہ کرو (کوئی چیز خریدنے کا ارادہ نہ ہو اور کوئی دوسرا شخص خرید رہا ہو تو) خواہ مخواہ بولی میں حصہ لے کر قیمت نہ بڑھاؤ (کہ وہ چیز اسے مہنگی) ملے۔ آپس میں بغض نہ رکھو۔ ایک دوسرے سے منہ نہ موڑو۔ کسی کی بیع پر کوئی شخص بیع نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کے بندو! بھائی بھائی بن کر رہو۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، وہ اس (مسلمان بھائی) پر نہ تو ظلم کرتا ہے نہ اس کی مدد ترک کرتا ہے اور نہ اسے حقیر سمجھتا ہے۔ (آپ ﷺ نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کر کے تین بار فرمایا) تقویٰ یہاں ہے۔ انسان کے لیے اتنا گناہ ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا خون، مال اور عزت حرام ہے۔"

کچھ چیزیں ایسی ہیں، جو مسلمانوں کے باہم تعلق کو مضبوط بنانے والی ہیں۔ ہمیں تعلیم دی گئی ہے کہ ہم اِن کا اہتمام کریں۔ آج ہم جس حدیث کا مطالعہ کر رہے ہیں، یہ انہیں چیزوں کے بارے میں ہے۔ یہ حدیث بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور مسلم شریف میں ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ))

"جو شخص کسی مومن کی دنیا میں تکلیف رفع کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی تکلیفوں میں سے تکلیف رفع فرمائے گا۔"

دوسروں کی تکالیف اور مشکلات رفع کرنے کی بڑی فضیلت واہمیت ہے۔ جو شخص اِس دنیا میں اپنے مومن بھائی کے ساتھ حسن سلوک کرے گا، اُس کی مشکلات اور تکالیف کو دور کرے گا، تو اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اُس کے شدائد اور سختیوں کو رفع فرمائے گا۔ اُس دن دنیا کے رشتے ناتے کچھ کام نہ آئیں گے۔ انسان کی اپنی نیکی اور بھلائی ہی اُس کو نفع دے گی۔

((وَمَنْ يَسَّرَ عَلٰى مُعْسِرٍ، يَسَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ))

"جو شخص کسی تنگدست پر آسانی کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے دنیا وآخرت میں آسانی فرمائے گا۔"

ایک شخص تنگدست ہے، مشکل میں ہے، اور آپ کے اختیار میں ہے کہ اُس کی مشکل کو رفع کر کے اُس کے لیے آسانی کا سامان کریں، تو آپ کو ضرور ایسا کرنا چاہیے۔ فرض کریں، آپ نے کسی کو قرض دیا تھا، اور یہ طے پایا تھا کہ مقروض دو سال بعد قرض ادا کر دے گا۔ لیکن دو سال گزر جانے کے بعد مقروض اِس پوزیشن میں نہیں ہے کہ آپ کا قرض ادا کرے اور وہ قرض کی وجہ سے پریشان ہے، تو چاہیے کہ آپ اُس کے لیے آسانی کریں، قرض کی مہلت مزید بڑھا دیں، نہ کہ اُس کے سر پر سوار ہو جائیں۔ سورۃ البقرہ میں جہاں سود کی حرمت کا حکم آیا ہے، وہاں یہ تعلیم بھی دی گئی ہے کہ ہم مقروض کی مجبوری کے پیش نظر اُسے مزید مہلت دیں، اور اگر قرض معاف ہی کر دیں تو یہ اور بھی بہتر ہے۔ آخر مقروض ہمارا ہی مسلمان بھائی ہے۔ اگر ہم اپنے بھائی کے ساتھ آسانی کریں گے، تو اللہ تعالیٰ ہمیں اِس کا بڑا اجر دیں گے، ہمارے لیے دنیا وآخرت میں آسانیاں فرمائیں گے۔

اس کے بعد جو الفاظ آئے ہیں، اُن میں مسلمان بھائی کی ستر پوشی کی تعلیم دی گئی ہے۔

((وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ))

"جو شخص کسی مسلمان کی عیب پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت میں اس کی عیب پوشی فرمائے گا۔"

تجسس اور دوسروں کے عیبوں کی ٹوہ میں لگے رہنے سے ہمیں منع کیا گیا ہے۔ تاہم تجسس اور ٹوہ میں لگے بغیر کسی کا گناہ اور عیب آپ کے سامنے آجاتا ہے تو بھی یہ نہیں ہونا چاہیے کہ آپ اُس کا ڈھنڈورا پیٹیں، اُس کا لوگوں میں چرچا کریں، نہیں، بلکہ اُس پر پردہ ڈالیں۔ یہ سوچئے کہ ہر نقص اور ہر عیب سے پاک تو صرف اللہ کی ذات ہے۔ انسان تو خطا کا پتلا ہے۔ آدمی سے گناہ سرزد ہو ہی جاتا ہے۔ آپ خود بھی تو بے عیب نہیں ہیں۔ اگر آپ یہ پسند کرتے ہیں کہ آپ کے عیب لوگوں پر ظاہر نہ ہوں تو چاہیے کہ آپ بھی دوسروں کے عیوب کا چرچا نہ کریں، بلکہ پردہ پوشی کریں۔ اگر آپ ایسا کریں گے تو اللہ آپ کو نقد بدلہ یہ دے گا کہ دنیا میں آپ کے عیبوں پر پردہ ڈالے گا، اور

آخرت میں بھی آپ کی پردہ پوشی فرمائے گا۔

آگے فرمایا:

((وَاللّٰہُ فِیْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا کَانَ الْعَبْدُ فِیْ عَوْنِ اَخِیْہِ))

"اللہ تعالیٰ بندے کی مدد کرتا رہتا ہے، جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے۔"

کس قدر پیاری تعلیم ہے، خدمتِ خلق اور ایک دوسرے کے کام آنے کی۔ مخلوقِ خدا کی خدمت کا بڑا اجر و ثواب ہے۔ اس کا فائدہ نہ صرف آخرت میں ہوگا، بلکہ دنیا میں بھی پہنچے گا۔ دوسروں کے کام میں مشغول رہنے والے شخص کے کاموں کو اللہ تعالیٰ خود کرے گا۔ آپ اپنے بھائی کے کام میں لگے ہوئے ہیں، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے اپنے کام رکے ہوئے ہیں، آپ اُن کے لیے وقت نہیں نکال سکتے۔ یہاں اطمینان دلایا گیا ہے کہ فکر مند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ آپ دوسروں کے کام کریں، آپ کے کاموں کو اللہ خود سنبھالے گا۔ فرض کریں، ایک شخص مظلوم ہے، اور آ کر آپ سے کہتا ہے کہ بھئی، میری فریاد کوئی نہیں سنتا، آپ جا کر فلاں حاکم کو میرے ساتھ ہونے والی زیادتی اور ناانصافی سے آگاہ کیجیے۔ اب آپ مظلوم کی دادرسی کے لیے اُس حاکم کے پاس جاتے ہیں، اور اُس سے سفارش کرتے ہیں، تو یقیناً یہ بڑے اجر و ثواب کا کام ہے، تاہم اس میں آپ کا جو وقت لگ رہا ہے، اس سے آپ کے اپنے کام متاثر ہوتے ہیں، لیکن یہ ظاہری اور مادی پیمانے ہیں، ورنہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ ایسے اسباب پیدا فرما دے گا کہ آپ کے کام بھی بسہولت ہو جائیں گے۔

اس کے بعد حصولِ علم کی فضیلت کا تذکرہ ہے۔ فرمایا:

((وَمَنْ سَلَکَ طَرِیْقًا یَلْتَمِسُ فِیْہِ عِلْمًا سَھَّلَ اللّٰہُ لَہٗ بِہٖ طَرِیْقًا اِلَی الْجَنَّۃِ))

"جو شخص طلبِ علم کی خاطر کوئی راہ چلے، اس کے عوض اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان فرمائے گا۔"

یعنی علم کا راستہ جنت کا راستہ ہے۔ جو شخص اس راستے کو اختیار کرتا ہے وہ گویا جنت کی راہ پر چلتا ہے......

اب سوال یہ ہے کہ علم سے مراد کون سا علم ہے؟ آیا اس سے مراد انجینئرنگ اور طب (میڈیکل) کی تعلیم ہے جس کے سیکھنے کے لیے لوگ امریکہ و برطانیہ جاتے ہیں۔ نہیں، اس لیے کہ انجینئرنگ اور طب علم نہیں، بلکہ فنون ہیں۔ یہ ایسے ہی ہیں جیسے ایک موچی کے پاس جوتے گانٹھنے کا فن ہوتا ہے، جسے وہی جانتا ہے، ہر آدمی نہیں جانتا۔ اسی طرح میڈیکل کا فن ہے۔ اس فن سے ایک سرجن جسم کی سرجری کرتا ہے، جسم کے اندر سے تکلیف دہ مواد کو نکالتا ہے۔ علم سے مراد کتاب و سنت کا علم یعنی علمِ ہدایت ہے، جو اصل علم ہے۔ تو جو شخص حصولِ ہدایت کی نیت سے سفر کرتا ہے، اس ارادے سے سفر کرتا ہے کہ احکاماتِ الٰہی سے آگاہ ہو سکے، تو اُس کا یہ سفر اتنا بابرکت ہے کہ گویا وہ جنت کی طرف سفر کرتا ہے۔ اللہ اُس کے لیے جنت کی طرف جانے والا راستہ آسان فرما دیتا ہے۔

آگے بتایا کہ اللہ کی کتاب کے پڑھنے، سیکھنے اور سکھانے کا عمل اللہ کی رحمت کا موجب ہے۔

((وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِیْ بَیْتٍ مِنْ بُیُوْتِ اللّٰہِ یَتْلُوْنَ کِتَابَ اللّٰہِ ، وَیَتَدَارَسُوْنَہٗ بَیْنَھُمْ اِلَّا نَزَلَتْ عَلَیْھِمُ السَّکِیْنَۃُ ، وَغَشِیَتْھُمُ الرَّحْمَۃُ ، وَحَفَّتْھُمُ الْمَلَائِکَۃُ ، وَذَکَرَھُمُ اللّٰہُ فِیْمَنْ عِنْدَہٗ))

"جب کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے کسی گھر میں کتاب اللہ کی تلاوت اور تعلیم کے لیے جمع ہوتے ہیں تو ان پر سکینت نازل ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ کی رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے' فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر اپنے ہاں موجود مخلوق (ملائکہ مقربین) میں کرتا ہے۔"

قرآن حکیم کے سیکھنے سکھانے کے دو مختلف انداز ہیں۔ ایک درس ہے، جو ہمارے ہاں رائج ہے۔ اس میں یہ بتایا جاتا ہے کہ فلاں آیت، فلاں لفظ کے کیا معانی ہیں، کیا شانِ نزول ہے، اُس کا ترجمہ کیا ہے اور اس کا مفہوم کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس میں سمجھانے والا ایک مدرس ہوتا ہے، باقی سیکھنے والے ہوتے ہیں۔ دوسرا "تدارس" ہے، جو باب تفاعل سے ہے۔ تدارس یہ ہے کہ کچھ لوگ جمع ہو جائیں اور ایک دوسرے سے سیکھیں۔ ایک دوسرے سے اپنے علم کو شیئر کریں۔ چند افراد سٹڈی سرکل بنا کر بیٹھ جائیں۔ ایک آیت پڑھی جائے۔ اور پھر ہر ایک سے پوچھا جائے کہ اس آیت سے آپ نے کیا سمجھا ہے۔ میں نے یہ منظر 1970ء میں انگلینڈ میں دیکھا ہے۔ وہاں ایک ادارے میں پاکستانی لڑکوں کا ہاسٹل تھا، جو پی ایچ ڈی، اور ایم ایس سی کر رہے تھے۔ نمازِ جمعہ کے بعد یہ لڑکے سٹڈی سرکل بنا کر بیٹھ جاتے تھے۔ اب ایک لڑکا قرآن مجید کا ایک رکوع پڑھتا۔ اس میں جو غلطی ہوتی، اس کی اصلاح کر دی جاتی۔ پھر دوسرا، تیسرا یہاں تک کہ سب لوگ یہ رکوع پڑھتے، اور اُن کی تجوید کی تصحیح کی جاتی تھی۔ پھر یہ کہ ہر ایک کو یہ ہدایت کی جاتی تھی کہ قرآن کے فلاں مقام کی تفسیر فلاں تفسیر سے پڑھ کر آئے۔ اس طرح مختلف لوگ مختلف تفاسیر کا مطالعہ کر کے آتے، اور ہر ایک یہاں اپنے مطالعہ کا حاصل بیان کرتا۔

فرمایا، جو لوگ اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں اُس کی کتاب پڑھنے اور سمجھنے سمجھانے کے لیے جمع ہوتے ہیں، اُن پر اللہ کی طرف سے سکینت نازل ہوتی ہے۔ انہیں سکون اور قلبی طمانیت نصیب ہوتی ہے۔ (یاد رہے کہ ایمان کا اصل حاصل ہی امن ہے۔ امن ایک داخلی کیفیت ہے۔ سلامتی اسلام سے ہے۔ یہ خارجی اور معاشرتی معاملہ ہے۔ سلامتی یہ ہے کہ افراد و معاشرہ کو تحفظ حاصل ہو، کوئی شخص کسی کو نقصان نہ پہنچائے، دوسرے کو جان سے محروم نہ کرے، دوسرے کا مال نہ چھینے، بلکہ ہر ایک کی جان، مال اور عزت و آبرو محفوظ ہو۔) ان لوگوں کو اللہ کی رحمت ڈھانپ لیتی ہے۔ ملائکہ ان کے گرد گھیرا ڈال لیتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کا ذکر اپنے ملائکہ مقربین کے سامنے کرتا ہے کہ دیکھو تم تو کہتے تھے کہ انسان زمین پر فساد کرے گا، لیکن میرے یہ بندے محض میری محبت کی وجہ سے میری کتاب پڑھنے اور سمجھنے میں لگے ہوئے ہیں، ان کی کوئی اور دنیوی غرض نہیں ہے، یہ صرف میری رضا اور خوشنودی کے متلاشی ہیں۔

یہاں "بیت من بیوت اللہ" (اللہ کے گھروں میں سے ایک گھر) کے الفاظ آئے ہیں۔ بیت اللہ کا لفظ ہم عام طور پر خانہ کعبہ کے لیے بولتے ہیں، تاہم چونکہ روئے ارضی کی تمام مساجد خانہ کعبہ کی بیٹیاں ہیں، اس لیے وہ بھی اللہ کے گھر ہیں۔ اس حدیث میں بیت اللہ سے مراد محض مساجد ہی نہیں، بلکہ شارحینِ حدیث کے مطابق ہر وہ جگہ ہے جو پڑھنے پڑھانے کے کام کے لیے مقرر ہو۔

اس کے بعد فرمایا:

((وَمَنْ بَطَّاَ بِہٖ عَمَلُہٗ لَمْ یُسْرِعْ بِہٖ نَسَبُہٗ))

"اور جسے خود اس کا عمل ہی پیچھے چھوڑ دے، اس کا نسب اسے آگے نہیں بڑھا سکتا۔"

بہت ہی عمدہ بات ہے جو یہاں فرمائی گئی ہے۔ اسلام حسب و نسب کی نفی نہیں کرتا، تاہم اُسے یہ ہرگز گوارا نہیں کہ اسے فخر اور بڑائی کا ذریعہ بنا دیا جائے۔ فضیلت اور نجاتِ اُخروی کا مدار حسب و نسب پر نہیں، بلکہ یہ انسان کے اپنے اعمال ہیں جو وہاں اُس کے کام آئیں گے۔ لہٰذا کوئی بھی شخص حسب و نسب پر فخر نہ کرے۔

بنی اسرائیل حسب و نسب کے فخر میں بُری طرح مبتلا تھے۔ وہ شریعت کی خلاف ورزی کرتے تھے، مگر انہیں اس بات پر فخر تھا کہ وہ نسلِ ابراہیمی سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہمارے ہاں بھی حسب و نسب کو بڑائی کا ذریعہ قرار دیا جاتا ہے۔ سید زادہ غیر سید پر فخر کرتا ہے۔ یہاں واضح فرما دیا کہ جسے خود اس کا عمل ہی پیچھے چھوڑ دے اُس کا نسب اُسے آگے نہیں بڑھا سکتا۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں حسنِ معاشرت کی توفیق دے اور قرآن کے نور سے ہمارے دلوں کو منور فرمائے (آمین)

[مرتب: محبوب الحق عاجز]

امیر تنظیم اسلامی کا پیغامِ عید الفطر' رفقاء و احباب کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امسال ہلالِ عید جن حالات میں طلوع ہوگا، اندیشہ ہے کہ وہ اہل پاکستان کے لیے شدید آزمائش اور پریشانیوں سے معمور ہوں گے۔ اسلام کو مٹانے کے ناپاک عزائم کی تکمیل کے لیے امریکہ نے پورے عالم کفر کے تعاون سے عالمِ اسلام کے خلاف آگ و خون کی جس ہولناک جنگ کا آغاز کیا ہے وہ آگ اب پورے طور پر پاکستان میں داخل ہو چکی ہے۔ یہ دجالی فتنہ اب پاکستان پر حملہ آور ہے۔ یہ فیصلے کی گھڑی ہے۔ مسلمانانِ پاکستان اگر ہمت کے ساتھ امریکہ کے خلاف اُٹھ کھڑے نہ ہوئے تو شاید پاکستان کو بچانے کا موقع ہمارے ہاتھ سے نکل جائے۔ اجتماعی توبہ کے ساتھ قومی سطح پر اپنے قبلے کی درستی ہی نجات کی واحد راہ ہے۔ یہ وقت دعا بھی ہے اور ایمان و توکل کے ساتھ ثابت قدم رہنے کا بھی۔ **اللھم اغفرلنا ذنوبنا و اسرافنا فی امرنا وثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین۔** (آمین)

جہاں تک عید الفطر کا تعلق ہے، یہ دن اصل میں رب کائنات کی جناب میں اُس کی دو عظیم نعمتوں پر شکر بجا لانے اور باوقار انداز میں خوشی منانے کا دن ہے۔ ایک نعمت وہ جسے خود اللہ رب العزت نے اپنی رحمانیت کا سب سے بڑا مظہر قرار دیا ہے۔ **الرحمٰنo علم القرانo** ——— وہ قرآن جو سرتاسر ہدایت ہے' صراطِ مستقیم کی رہنمائی کرنے والا' اس صراط مستقیم کی جو ہمارے لئے ابدی و حقیقی کامیابیوں اور حصولِ رضائے رب کی ضامن ہے ——— اور دوسری نعمت' ماہ رمضان المبارک میں روزے جیسی عظیم عبادت کی توفیق کا ملنا ہے۔ قلب کی گہرائیوں سے ابھرنے والے جذبہ شکر کا حاصل ہے تکبیر رب۔ نہ صرف زبان سے رب کی کبریائی کا اعلان' بلکہ اللہ کی عطا کردہ ہدایت پر مبنی نظام یعنی دین حق کو اللہ کی زمین پر قائم و غالب کرنے کا نعرہ مستانہ! خوشی کے اس موقع پر اپنے عزیز و اقارب اور رفقاء و احباب سے ملاقات اور سلامتی و مبارک پر مبنی پیغامات کا تبادلہ رسم دنیا' موقع اور دستور تو ہے ہی' اللہ کی نگاہ میں بھی بہت قابل قدر عمل ہے۔

ہماری دعا ہے کہ ہمارا رب اس ماہِ مبارک اور قرآن حکیم کی برکت سے سال کے آئندہ گیارہ مہینوں میں ہمیں ہر اس چیز سے بچنے اور اسے ترک کرنے کی توفیق بخشے جو اسے ناپسند ہے اور جس سے اُس کے حبیب نبی آخر الزمان ﷺ نے ہمیں باز رہنے کا حکم دیا ہے ——— اور ہر اس کام کو بحسن و خوبی سرانجام دینے کی توفیق عطا فرمائے جو ہمارے رب کو پسند ہے اور جس سے وہ راضی ہے۔ **اللھم وفقنالماتحب و ترضی** ——— اور اسی طرح ہمیں اپنے اصل نصب العین یعنی رضائے الٰہی کے حصول کے لئے غلبہ و اقامتِ دین سمیت اپنی تمام دینی ذمہ داریاں احسن طریقے سے ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین) ——— اور اے ہمارے پروردگار! اس ہلالِ عید کو ہمارے لئے اور پوری اُمت مسلمہ کے لئے امن و امان اور سلامتی و اسلام کا چاند بنا کر طلوع فرما اور اسے ہمارے لئے رشد و ہدایت کا موجب بنا دے۔ ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد!

احقر عاکف سعید عفی عنہ

عید الفطر کا پروگرام' ان شاء اللہ

باغ جناح' لاہور میں نمازِ عید

وقت: آٹھ بجے صبح

خطبہ و امامتِ نماز: حافظ عاکف سعید

مختصر اردو خطاب: ڈاکٹر اسرار احمد
بانی تنظیم اسلامی

رفقاء و احباب سے ملاقات (عید ملن)

مقام: مرکز تنظیم اسلامی' گڑھی شاہو' لاہور

تاریخ: 3 اکتوبر، بروز جمعۃ المبارک

وقت: بعد نماز عصر تا نماز عشاء

میزبان: امیر تنظیم اسلامی و مرکزی ناظمین، مع اہل خانہ

چوں کفر از کعبہ برخیزد

محمد سمیع

اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے دعوت دین کو لوگوں میں اس وقت عام فرمایا جب آپ کو حکم ہوا کہ "جس بات کا آپ کو حکم دیا جارہا ہے اس کا ڈنکے کی چوٹ پر اعلان کریں"۔ سیرت کے مطالعہ سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ آپ ﷺ کی دعوت کا مرکز و محور قرآن کریم ہی رہا ہے۔ قرآن کی بنیاد پر لوگوں میں نظریہ توحید کو عام کرنا' دعوت توحید قبول کرنے والوں کو منظم کرنا' اسی کی بنیاد پر ان کا تزکیہ کرنا، تزکیہ کے بعد انہیں نظام باطل سے ٹکرانا اور حق کا پرچم سربلند کرنا سب کچھ شامل تھا تا آنکہ قرآن کریم میں اعلان کر دیا گیا کہ "حق آیا اور باطل مٹ گیا اور باطل کو تو مٹنا ہی تھا"۔ لیکن اس سارے عرصے میں حضور ﷺ اور آپؐ کے صحابہ کرام ؓ کو جن مشکلات سے گزرنا پڑا، اس کی داستان بہت طویل ہے۔ اس دعوت کا مذاق اڑایا گیا۔ آپ ﷺ کی نعوذ باللہ کردار کشی کی گئی۔ صحابہ کرام ؓ پر تشدد کیا گیا۔ لیکن ایمان کی دعوت ان کے دلوں میں اس قدر راسخ ہو چکی تھی کہ پورے مکی دور میں صحابہ کرامؓ نے اس ظلم و تشدد کو برداشت کیا اور حضور ﷺ کی اس ہدایت پر عمل پیرا رہے کہ ہر قسم کا تشدد برداشت کرنا ہے' جوابی کارروائی نہیں کرنی' لیکن اپنے موقف پر ڈٹے رہنا ہے۔ ان کے اس طرز عمل پر قرآن نے اس طرح خراج تحسین پیش کیا کہ "اللہ تعالیٰ نے ایمان کو تمہارے لیے محبوب بنا دیا اور اسے تمہارے دلوں میں کھبا دیا اور تمہارے دلوں میں کفر' فسق اور عصیان کے خلاف نفرت پیدا کر دی"۔ تزکیہ بذریعہ قرآن کیے جانے کے نتیجے میں وہ رہتی دنیا تک ایسی مثال بن گئے جس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ قرآن نے حضور ﷺ کو خلق عظیم پر فائز کہا تو آپؐ کے تربیت یافتہ افراد میں بھی اس کی جھلک پیدا ہوئی اور اسی ایمان اور اخلاق کے نتیجے میں انہوں نے نہ صرف حکومت الٰہیہ کو وسعت دی بلکہ علاقوں کے ساتھ ساتھ وہاں کے باشندوں کے دلوں کو بھی فتح کیا۔ اسلام اور مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے شوکت و سطوت عطا فرمائی اور اسلام دشمنوں پر ان کا رعب و دبدبہ قائم کیا۔

آج اگر اُمت مسلمہ ذلت و خواری میں مبتلا ہے تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اُمت کے افراد کے ایمان میں ضعف پیدا ہو گیا ہے۔ نتیجتاً اخلاقی زوال سے دوچار ہیں۔ ایسے میں اگر اسلام دشمن قوتیں اسلام اور مسلمانوں کو ہدف بنا رہی ہیں تو بات سمجھ میں آتی ہے۔ لیکن اگر خود مسلمان بھی اسلامی نظام یعنی نظام خلافت کے لیے جدوجہد کے بجائے اس کا تمسخر اڑائیں تو اس طرز عمل کو اس کی بجائے اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ "چوں کفر از کعبہ برخیزد' کجا ماند مسلمانی"' یعنی

> ایک کالم نویس نے فوجی آمروں کے دور کو خلافت قرار دیا۔ خلافت کی اس سے زیادہ تضحیک ممکن نہیں۔ خلافت تو وہ قوت ہے کہ جس کا خوف نام نہاد عالمی سپر طاقت کے صدر سمیت عالمی قوتوں پر قائم ہے۔ وہ خلافت کو اپنے "جیو" ورلڈ آرڈر کے لیے خطرہ سمجھتے ہیں

اگر کفر کعبہ سے سر اٹھائے تو مسلمانی کہاں باقی رہتی ہے۔

ہمارے ایک کالم نویس نے پرویز مشرف کے استعفیٰ پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "تاریخ بتاتی ہے کہ بادشاہت اور خلافت کا دور ختم ہو چکا ہے لیکن ہمارے ملک میں ہر چند سال بعد یہ دور اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ نما ہو جاتا ہے۔ کبھی منتخب نمائندے اس دور کی طرف بڑھنے کے لیے للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہیں تو کبھی فوجی حکمران' لیکن جیت ہمیشہ فوجی حکمران ہی کی رہی۔ پاکستان میں رائج خلافتی ادوار میں خلافت ایوبیہ پہلا دور تھا' اس کے بعد خلافت یحییٰ' خلافت ضیاء اور اب خلافت مشرف"۔

موصوف کی اس تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خلافت کی حقیقت ہی سے ناواقف ہیں ورنہ وہ خلافت اور بادشاہت کو مترادف کے طور پر نہ لکھتے۔ کجا بادشاہت اور کجا خلافت۔ "چہ نسبت خاک را با عالم پاک"۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ موصوف نے فوجی آمروں کے دور کو خلافت قرار دیا۔ خلافت کی اس سے زیادہ تضحیک ممکن نہیں۔ خلافت تو وہ قوت ہے کہ جس کا خوف نام نہاد عالمی سپر طاقت کے صدر سمیت عالمی قوتوں پر قائم ہے اور روس کی شکست و ریخت کے بعد بھی نیٹو کو انہوں نے اس لیے قائم رکھا ہوا ہے کیونکہ ان کو روس کے بعد کسی سے خطرہ ہے تو وہ اسلام سے ہے۔ انہیں روزہ' نماز اور دیگر عبادات میں مصروف مسلمانوں سے خطرہ نہیں' کیونکہ ان کے نزدیک یہ ان کے اس فلسفہ سے مطابقت رکھتا ہے۔ کہ مذہب انسان کا ذاتی معاملہ ہے۔ ان کو اپنے نیو ورلڈ آرڈر کا خطرہ اسلام کے نظام خلافت سے ہے۔ اس کے باوجود زمینی حقیقت تو یہ ہے کہ اسلام کے نظام خلافت کے قیام کا مستقبل قریب میں کیا' مستقبل بعید میں بھی کوئی امکان نظر نہیں آتا' الا یہ کہ اللہ ہی ایسا چاہے۔ اُمت مسلمہ تو اپنی وحدت کے خاتمہ کے بعد قوم اور قومیتوں میں تقسیم ہو چکی ہے اور ہمارے قومی حکمرانوں نے مغرب کی کاسہ لیسی کو اپنا وطیرہ بنا رکھا ہے۔ کم از کم اہل قلم حضرات تو نظام خلافت کا تمسخر اڑانے سے پرہیز کریں۔ جس طرح مسلمانوں کے زوال سے اسلام کی عظمت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی اسی طرح حکمرانوں کی بداعمالیوں سے اسلام کے حقیقی نظام یعنی نظام خلافت کی عظمت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

دعائے صحت کی اپیل

○ تنظیم اسلامی، نارتھ ناظم آباد کراچی کے ملتزم رفیق سید فضل الحق علیل ہیں

اللہ تعالیٰ ان کو صحت کاملہ عاجلہ عطا فرمائے۔

قارئین سے دعائے صحت کی اپیل ہے

دعا کی اپیل

رفیق تنظیم اسلامی گڑھی شاہو لاہور غلام نبی کا نوزائیدہ بیٹا انتقال کر گیا ہے۔ والدین کے لیے صبر جمیل کی دعا کی درخواست ہے!

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم

ایک رفیقِ تنظیم کی تاثراتی تحریر، جنہیں گزشتہ چند ماہ کے دوران یکے بعد دیگرے شدید آزمائشوں سے گزرنا پڑا

انجینئر طارق خورشید

زیرِ نظر تحریر میں نے رفقائے کار کے لیے "من لم یشکر الناس لا یشکر اللہ" کے جذبے کے تحت لکھی گئی ہے۔ حیاتِ فانی میں پیش آمدہ دو واقعات کی تلخیوں کو کم کرنے کے لیے اندازِ تحریر ہلکا پھلکا رکھا ہے تاکہ رفقاء و احباب پڑھتے ہوئے پریشان نہ ہوں

والدہ محترمہ بتاتی ہیں کہ جب یہ ملک دولخت ہو رہا تھا تب جولائی کی سختی میں یہ لختِ جگر پیدا ہوا۔ اوائل عمری میں یتیمی دیکھنے کے بعد بفضلہ تعالیٰ پرائمری، سیکنڈری اور ہائیر سیکنڈری تک مختلف تعلیمی وظائف کے سہارے گورنمنٹ کالج لاہور سے ہوتا ہوا انجینئرنگ یونیورسٹی (UET) پشاور جا پہنچا۔ غالباً نومبر 1990ء میری حقیقی اور بامعنی زندگی شروع ہوئی جب تنظیم اسلامی پشاور میں بطور رفیقِ تنظیم شامل ہوا۔ کچھ تعلیمی مصروفیات اور کچھ ناپختگیٔ فکر کی وجہ سے ابتدائی سال ڈھیلے ڈھالے رہے۔ الحمدللہ، یونیورسٹی سے 1994ء میں فراغت ملنے سے ایک سال پہلے سے لے کر 1996ء تک دعوتی لحاظ سے جو کام اللہ تعالیٰ نے پشاور یونیورسٹی کیمپس میں مجھ سے لیا، شاید اُس کے بعد آج تک یونیورسٹی کیمپس میں اُس منظم طریقے سے نہ ہوا ہو......

میں نے نیو میلینیم میں شادی کا فیصلہ کر لیا اور 14 جنوری 2000ء کو بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد نے سیالکوٹ (جس کا نام اب "سسرال کوٹ" ہو گیا ہے) میں میرا نکاح پڑھایا۔ اس موقع پر میرے اور میرے خاندان کے لیے جو دُعائیں محترم ڈاکٹر صاحب نے کیں وہ میرے لیے عمر بھر کا سرمایہ ہیں۔ ؏ میں اپنی تسبیحِ روز و شب کا شمار کرتا ہوں دانہ دانہ

......کاروبارِ زندگی اور دعوتی سرگرمیاں حسبِ معمول جاری تھیں کہ گزشتہ برس مارچ 2007ء کی ایک روشن دوپہر 12 بجے ایک Site Visit سے واپسی پر دو "باپردہ" (نقاب پوش) حضرات نے مجھے ڈرائیور اور گاڑی سمیت زبردستی (کلاشنکوف کے سہارے) اپنا مہمان بنا لیا۔ بعد ازاں میرا انجینئر ہونا Confirm کرنے کے بعد وہ کمپنی گاڑی اور ڈرائیور کو مجبوراً چھوڑ کر (کیونکہ گاڑی نے ایک خطرناک پہاڑ سے آگے جانے سے انکار کر دیا تھا) مجھے اپنے مہمان خانے لے گئے۔ عجیب مہمان نواز لوگ تھے۔ ہر وقت گونگے بہرے بنے رہتے، چوبیس گھنٹے میں صرف

شریعت اپیلیٹ بنچ کو پہنائی گئی ضیاء دور کی دو ہتھکڑیوں اور دو بیڑیوں کی مانند مجھے بھی دونوں پیروں میں بھاری بیڑیاں پہنا کر احتیاطاً دوہرا تالہ بھی لگا دیا گیا، تاکہ کسی صورت میری عبادت و ریاضت میں خلل ہرگز واقع نہ ہو

ایک مرتبہ چند منٹ کی جھلک دکھا کر غائب ہو جاتے اور مرد ہونے کے باوجود مجھ سے پردہ کرتے تھے۔ اُن کا ڈرائنگ روم بھی بڑا شاندار تھا، جہاں مجھے اُن کی خوشی کی خاطر 17 دن رات ایک ایک لحہ گن گن کر یادِ الٰہی سے قلب و ذہن کو منور کرنا پڑا۔ میری آنکھوں پر دوہری تہری پٹیاں باندھ کر زیرِ زمین تقریباً 35 فٹ اپنے خاص مہمان خانے میں لے گئے، تاکہ یہ ظالم دنیا والے مجھے تنگ نہ کر سکیں۔ مہمان خانے کا سائز لمبائی 7 فٹ، چوڑائی 4 فٹ اور اونچائی ساڑھے چار فٹ ہو گی۔ شریعت اپیلیٹ بنچ کو پہنائی گئی ضیاء دور کی دو ہتھکڑیوں اور دو بیڑیوں کی مانند مجھے بھی دونوں پیروں میں بھاری بیڑیاں پہنا کر احتیاطاً دوہرا تالہ بھی لگا دیا گیا، تاکہ کسی صورت میری عبادت و ریاضت میں خلل ہرگز واقع نہ ہو۔ یہ لوگ بجلی کی بچت کے سخت قائل تھے، لہٰذا 24 گھنٹوں میں بمشکل 2 یا 3 گھنٹے بجلی ہوتی تھی۔

؏ پھر اندھیروں سے دوستی کر لی

اگر کبھی کبھار تھک کر میں کھڑا ہونے کی کوشش کرتا تو کم اونچائی اور اندھیرے کی وجہ سے سر مٹی سے ٹکرا جاتا تو مٹی کے گرنے کے ساتھ چھوٹے چھوٹے چمکدار کیڑے بھی گرتے، جن کی خوشبو (یا بدبو) سے سارا ڈرائنگ روم معطر ہو جاتا اور میں بے اختیار پھر اللہ کے حضور جھک کر مطمئن ہو جاتا کہ

دِل کے آئینے میں ہے تصویرِ یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

اِدھر میرے ہم فکر ساتھی میجر (ر) فتح محمد کی سربراہی میں ایک طرف مجھے اپنی دنیا میں واپس لانے کی سر توڑ کوششیں کر رہے تھے تو دوسری طرف میرے تحریکی ساتھی اور دفتر کے انجینئر دوست میرے بیوی بچوں کی دیکھ بھال کر رہے تھے۔ خیبر سے کراچی تک رشتہ دار و رفقاء اور بالخصوص میری بوڑھی والدہ دعاؤں کے خزانے روزانہ مجھے بھیجتے رہے، یہاں تک کہ 17 دنوں میں دعاؤں کا اتنا بڑا پہاڑ بن گیا کہ میرے مہمانوں کو مجبوراً مجھے واپس بھیجنا پڑا......اب شکریہ ادا کرنے کے لیے مرکز سے لے کر حلقہ، حلقہ سرحد سے مقامی تنظیم اور مقامی تنظیم سے دفتر کے ساتھی سبھی کا عمر بھر کے لیے احسان مند ہوں اور تاحیات رہوں گا۔ شاید ایسے ہی موقع کے لئے اقبالؒ نے کہا تھا۔

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

بوقتِ رخصتی میرے میزبان نہایت دلگیر تھے۔ کہنے لگے کوئی مزے کی بات کرتا کہ دِل ہلکا ہو جائے۔ میں نے کہا تم لوگ "سب سے بڑے پیر (مرشد) ہو"۔ پوچھا کیسے؟ میں نے کہا: "لوگ اللہ سے لو لگانے کے لیے، معرفت کے حصول کے لئے دربدر ہوتے رہتے ہیں پھر بھی مرشدِ کامل نہیں ملتا، میں تمہیں پورے یقین سے کہتا ہوں کہ تمہارے زیرِ زمین مہمان خانے میں جتنا قریب میں نے اپنے رب کو ان 17 دنوں میں محسوس کیا اور ایمان میں جو اضافہ اِن چند دنوں میں ہوا، وہ گزشتہ 17 سالوں میں کبھی نہیں ہوا تھا"۔ عجیب وضعدار لوگ تھے، میری حقیقت بیانی پر بے اختیار دیر تک ہنستے رہے۔

یادِ ماضی "ثواب" ہے یارب
"قائم" رکھ حافظہ میرا

گزشتہ برس کے اِس غیر اختیاری ٹور سے واپس جب اپنی پہلی دنیا میں آیا تو اِس نے کمزور جسم کو تر نوالہ سمجھ کر گاہے بگاہے چرکے لگانے شروع کر دیے۔ مہمان خانے میں گزارے گئے 17 دنوں میں گنتی کے چند گلاس ہی پینے کا صاف پانی ملا ہوگا۔ شاید اسی وجہ سے اکثر و بیشتر میں Site پر بہت تھکن محسوس کرتا تھا، بلڈ پریشر زیادہ رہنے لگا، پیروں میں شاید مستقل بیڑیوں کی وجہ سے تکلیف شروع ہو گئی تھی، بسا اوقات چہرے پر سوجن بھی ہوئی۔ جب بھی کوئی عارضہ لاحق ہوتا، میں قریبی دستیاب سپیشلسٹ ڈاکٹر سے علاج کروا کر پھر روٹین پر آ جاتا تھا۔ بارہا مختلف ٹیسٹ وغیرہ بھی کیے گئے لیکن کسی نے تحقیق کی ضرورت محسوس نہ کی کہ اصل بیماری کا کھوج لگایا جائے۔ میری شریکِ سفر کبھی اپنی ناظمہ، کبھی ہمسائی اور کبھی کسی اور سے معلوم کر کے مجھے مجبور کرتی رہی کہ وقت نکال کر صحیح طریقے سے چیک اپ کرواؤں، تاکہ اصل مرض کا پتہ چلے لیکن میں نے کچھ طبیعت میں سستی اور کچھ نئے پراجیکٹ کی وجہ سے باتوں ہی باتوں میں بہلا کر بیگم کو بے غم کر گیا اور خود حسبِ پروگرام مانسہرہ پراجیکٹ پر چلا گیا۔

؎ تجھ سے بھی دلفریب ہیں غم روزگار کے

غالباً 19 مئی 2008ء کو مانسہرہ ہی میں جب میری طبیعت زیادہ خراب ہوئی تو مجھے سول ہسپتال مانسہرہ لے جایا گیا۔ اللہ جزائے خیر دے میڈیکل سپیشلسٹ ڈاکٹر رضوان کو، جس نے چند ٹیسٹ دوبارہ کروائے اور مجھے یہ بتا کر کہ گردے درست کام نہیں کر رہے، فوری AMC (ایوب میڈیکل کالج) ایبٹ آباد ریفر کر دیا۔ آپس کے مشورے سے AMC کی بجائے ہم فوری طور پر LRH (لیڈی ریڈنگ ہسپتال) پشاور آ گئے اور مجھے نفرالوجی وارڈ میں داخل کر دیا گیا...... پھر پشاور کے تمام ہسپتال، متعلقہ پروفیسر ڈاکٹرز کے پرائیویٹ کلینکس اور شفا کڈنی سنٹر اسلام آباد کے ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ کے کلینک سے ہوتا ہوا کچھ بہی خواہوں کے مخلصانہ مشوروں اور ایک شعبدہ باز حکیم کی حرکتوں سے متاثر ہو کر میں طبِ یونانی والوں کے ہتھے چڑھ گیا (زندگی میں پہلی اور شاید آخری مرتبہ)۔ دراصل میری انتہائی خراب حالت کے پیشِ نظر دوسرے معالجین کے برعکس وہ خود چل کر میرے گھر آ گیا اور دورانِ گفتگو اس نے جب سورۃ یٰسین کی آیت ”الیوم نختم علی افواھھم و تکلمنا ایدھم و تشھد ارجلھم بما کانوا یکسبون“ کی تلاوت کی تو بے اختیار میرا بیمار دل زار و قطار رو دیا اور میں اُس سے علاج کے لیے آمادہ ہو گیا...... پھر کچھ نہ پوچھیے کہ اُس حکیم ”حاذق“ نے پچیس دن تک وہ تمام اُلٹی سیدھی، ٹھنڈی گرم، مرطوب غیر مرطوب، عجیب و غریب، یاب و نایاب اشیاء کھلا دیں جو میں نے ساری زندگی کھانا تو درکنار دیکھی تک نہ تھیں اور جب میں بالکل صاحبِ فراش ہو کر صرف آنکھوں کے سہارے سوال و جواب کے قابل رہ گیا تو حکیم صاحب نے ہتھیار پھینک دیے۔ میں نے اُس کا معاملہ اُس دِن کے لیے اُٹھا رکھا ہے جب ہمارے ہاتھ پاؤں ہمارے خلاف گواہی دیں گے...... **ذلک یوم التغابن**

پھر مجھے ہوا کے دوش پر کراچی SIUT (Sindh Institute of uralogy & Transplantation) لے آیا گیا (اور تا حال ایک ماہ سے زائد ہو گیا ICU میں موجود ہوں اور یہیں سے قلم کی مشقت کر کے رفقاء و احباب کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں)...... ابتدائی دِنوں کی تکلیف برطرف، 6 اگست 2008ء کو میرا ٹرانسپلانٹ کر دیا گیا۔ میرے چھوٹے بھائی خورشید نبی نور (امیر تنظیم اسلامی گوجرانوالہ شہر) نے اپنا ایک گردہ مجھے دے کر دوبارہ نئی زندگی دی ہے۔ میں اُن کے لیے ہمہ وقت دعا گو اور شکر گزار ہوں۔ الحمدللہ وہ آپریشن کے صرف ایک ہفتہ بعد صحت یاب ہو کر گوجرانوالہ واپس جا چکے ہیں۔

تنظیم اسلامی پاکستان سے میری 18 سال رفاقت کے دوران اُوپر تلے دو سالوں میں یہ دوسرا موقع ہے کہ میں اپنے رفقائے تنظیم میں موجود رافت و رحمت اور ہمدردی و غمگساری کا وہ رویہ دیکھ رہا ہوں جس کی وجہ سے شکر کے جذبات کی مغلوبیت میں ہر وقت یہ شدید خواہش رہتی ہے کہ اللہ جلد اپنے فضل سے دوبارہ صحت کی دولت سے نوازے تو اپنے ساتھیوں، رفقاء اور خاندان کی محبتوں کے قرض چکاؤں گا اور یہی جذبہ روز بروز مجھے روبہ صحت کر رہا ہے، الحمدللہ

گزشتہ برس سے اب تک اِن دو ناقابل فراموش واقعات کے دوران بالخصوص حالیہ Kidney failure کے بعد سے رفقاء کا ہر ممکن تعاون اور دُعائیں میرے لیے سرمایہ حیات ہیں۔ اگر میں صرف ایک شکریے کا لفظ ہی ہر ایک کے نام کے ساتھ فرداً فرداً لکھوں تو بھی اتنے ہی مزید صفحات کم از کم درکار ہوں گے۔ آپریشن سے پہلے جب ملاقات ممکن تھی تو امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید، ناظم اعلیٰ اظہر بختیار خلجی اور ناظم حلقہ سندھ زریں نسیم الدین کے ہمراہ عیادت کے لیے تشریف لائے۔ شجاع الدین شیخ بھائی کی طرف سے ابتدائی دنوں میں بہترین رہائش کی سہولت ملی اور بالخصوص محترم عابد بھائی اور عبداللہ بھائی، جنہوں نے اپنا سارا وقت اور سارے دستیاب وسائل میری صحت کی بحالی کے لیے یوں وقف کر رکھے ہیں کہ گویا یہ بیماری واقعی اُن کے بھائی پر آئی ہے۔ آج بانی محترم کا وہ جملہ بہت یاد آ رہا ہے کہ ”جو ہمنا تمہاری فکر سے ہم آہنگ ہے وہی اصل بھائی ہے“ اور مجھ پر تو یہ حقیقت دوبارہ منکشف ہوئی ہے۔ حلقہ سرحد جنوبی میں میجر (ر) فتح محمد سے لے کر میرے ہمسائے (امیر تنظیم اسلامی پشاور) خورشید انجم بشمول تمام رفقاء جس طرح میری بحالی صحت کے لیے دعائیں کر رہے ہیں میں اِن ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں صرف اُن کا شکریہ ہی ادا کر سکتا ہوں، اصل اجر تو اللہ ہی کے ہاں ملے گا۔ میرا جی چاہتا ہے کہ دنیا کے بہترین الفاظ چن کر شکریے کا گلدستہ بناؤں اور اوپر سے نیچے تک تمام ساتھیوں اور اہلِ خاندان کو بصد احترام پیش کر دوں ؎

شاید کہ اُتر جائے تیرے دل میں میری بات

اس پیغام کے ساتھ میں اپنی بات ختم کرتا ہوں کہ

میں اپنی تگ و تاز سے مایوس نہیں
میرے بیباک ارادوں میں ابھی توانائی ہے
بجھ نہیں سکتی میرے جنوں کی مشعل
میں نے ظلمت کو مٹانے کی قسم کھائی ہے

ادارہ ”ندائے خلافت“ کی جانب سے
قارئین ”ندائے خلافت“ کو
عید مبارک

اطلاع

عید الفطر کی تعطیلات کے باعث پریس اور دفاتر بند رہیں گے لہٰذا ندائے خلافت کا آئندہ شمارہ شائع نہ ہوگا (ادارہ)

عیدالفطر

رحمتوں، شفاعتوں، نذرانوں اور شکرانوں کا جشن

محمود فاروقیؒ

اسلام کا سماجی نظام اپنی اصل کے اعتبار سے ایک بہت بڑا اخلاقی نظام ہے۔ اس کی عبادات اور معمولات کا سارا دارومدار اعلیٰ اخلاقیات پر ہے۔ فکروخیال کی پاکیزگی، اعمال میں راست روی، معاملات میں دیانت داری، معاشرت میں خوش اطواری اور روابط و تعلقات میں میانہ روی اس کی بنیادی خصوصیات ہیں۔

جنت کا معاشرہ

اسلام، انسانی زندگی کے لیے محض دنیاوی سکیم کی حیثیت نہیں رکھتا، بلکہ وہ اپنی روح اور اپنے احکام کے اعتبار سے ایک وسیع ترین "دو جہانی سکیم" ہے۔ اسلامی فکر کے لحاظ سے دوسری دنیا کوئی تخیلی اور مثالی دنیا نہیں بلکہ ایک حقیقی جیتی جاگتی دنیا ہے، ایک ٹھوس اور واقعی دنیا جو انسانی تہذیب وتمدن کے ایک نہایت ہی اعلیٰ ترین معیار کو پیش کرے گی۔ اس مکمل ترین دنیا میں بسنے والے انسانوں کو، جن کا مسکن فردوس بریں ہوگا، اتنا کامل الاختیار بنادیا جائے گا کہ وہ قوانین طبعی کے تحت نہیں بلکہ قوانین طبعی، ان کے زیر اختیار ہوں گے۔

جنت کا یہ مہذب ترین معاشرہ دراصل انسانی ترقی کی وہ معراج ہوگی جس کا حقیقی تصور کرنا بھی یہاں محال ہے۔ ظاہر ہے، جنت کے اس اعلیٰ ترین معاشرہ میں اتنے وسیع اور ناقابل قیاس اختیارات تیسرے درجے کے گھٹیا اخلاق اور ناقص معیار والے انسانوں کے ہاتھ میں نہیں دیے جاسکتے جو نفس پرست، خودغرض، ظلم پیشہ، بدخلق، گندہ منہ، گندہ دل، گندہ ذہن، گندہ رو، گندہ پیرہن ہوں۔ جو سوچیں تو برا سوچیں، بولیں تو برا بولیں اور چلیں تو بری راہ چلیں، کریں تو برے کام کریں۔ منطقہ جنت میں ایسے ہی انسان بسائے جائیں گے جو حسن ذوق، حسن خیال، حسن فکر، حسن گفتار اور حسن کردار غرض ہر اعتبار سے اعلیٰ انسان ہوں۔

تربیت کا انتظام

اس اعلیٰ ترین شستہ اور پاکیزہ "اخروی معاشرہ" کے لیے اسلام ایک تربیتی نظام کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ ان تمام انسانوں کو جو اللہ، اللہ کے رسول ﷺ اور آخرت کی اس حقیقی زندگی پر یقین اور ایمان رکھتے ہیں منطقہ جنت کا شہری بنانے کی ہمہ پہلو تربیت دیتا ہے۔ اس دنیا میں وہ ایک ایسا معاشرتی، سیاسی، معاشی اور تہذیبی ماحول بناتا ہے جس میں انسانی صلاحیتوں اور کمالات کے نشوونما پانے کے مواقع پیدا ہوجاتے ہیں اور انسانی مواد مفید اور پاکیزہ مقاصد کے لیے ازخود منظم ومربوط ہوتا چلا جاتا ہے۔

روزہ، ایک کورس

اسلامی عبادات، اسلام کے اس تربیتی نظام کا ضروری اور لازمی حصہ ہیں اور وہ اس کے مقاصد ونتائج کو حاصل کرنے میں مدد دیتی ہیں۔ رمضان کے روزے بھی اس نظام تربیت کا اہم ترین کورس ہیں۔ روزہ کے ذریعہ تسخیر خودی، ضبط نفس، اعتدال مزاج، تنظیم عادات اور دوسرے تمام تر اخلاقی محرکات کو ابھارا جاتا ہے، تاکہ ناقص اور خام انسانی مواد روزہ کی بھٹی میں تپ کر ہر طرح کے کھوٹ اور آلائشوں سے پاک ہوجائے، انسان کی شخصیت نکھر اور سنور جائے، اس کا کردار اس درجہ پختہ اور مضبوط ہوجائے کہ وہ جہانِ آخرت میں اللہ کے نائب اور نمائندہ کی حیثیت سے نظام کائنات کے وسیع تر اختیارات کو سنبھالنے اور منشاء خداوندی کے مطابق ان کو استعمال کرنے کا اہل سمجھا جائے۔

اختتامی تقریب

جب تیس دن کا یہ تربیتی کورس مکمل ہوجاتا ہے تو اس کی اختتامی تقریب منعقد کی جاتی ہے جس میں اسلامی معاشرہ کے افراد اپنی تربیت کی تکمیل اور اخروی معاشرہ کے رہن سہن کی صلاحیت اور سلیقہ پیدا کرلینے پر خوشی مناتے، بطور شکرانہ کے اللہ کے حضور فطرہ کی نذر پیش کرتے اور اس کی تعظیم وتکبیر کے لے دوگانہ عید ادا کرتے ہیں۔ اسی مسرت انگیز تقریب کا نام عیدالفطر ہے۔

فطر کی اہمیت

مختلف قوموں کے بیشتر تہوار، شخصیتوں یا قومی کارناموں سے نسبت رکھتے ہیں۔ ہماری یہ عید تہواروں سے قطعی مختلف ہے۔ یہ نہ کسی شخصیت سے منسوب ہے اور نہ کسی قومی واقعہ یا کارنامہ سے، بلکہ یہ ایک ایسی منفرد عید ہے جس کی کوئی مثال اقوام ومذاہب کے تہواروں میں نہیں ملے گی۔ یہ عید ایک نیکی سے منسوب ہے، ایک ایسی نیکی جو خلق خدا کی بھلائی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ عیدالفطر کا نام ہی بتارہا ہے کہ یہ فطرہ والی عید ہے۔ یہ فطرہ خیرات نہیں ہے کہ آدمی کا جی چاہے تو ادا کردے اور نہ چاہے تو ادا نہ کرے، بلکہ یہ مسلمان شہریوں کا ایک ایسا قانونی فرض ہے جسے ادا نہ کرنے پر وہ سزا کے مستحق ٹھہرتے ہیں...... فطرہ اپنے اس قانونی تحفظ کے ساتھ ایک لازمی رفاہی اسکیم کی حیثیت رکھتا ہے جس میں حصہ لینا فطرہ ادا کرنے کی اہلیت واستطاعت رکھنے والے ہر بالغ ونابالغ مسلمان مرد اور عورت پر واجب ہے۔

رمضان ہمارا مہمان

برکتوں والا مہینہ رمضان ایک معزز آسمانی مہمان تھا جو تیس دن تیس راتوں تک مسلم معاشرے میں مقیم رہا۔

وہ ہمارا مہمان تھا۔ ہمارے گھروں میں، سحروافطار، تراویح وتہجد میں، اور پھر دن بھر روزہ کے مبارک لمحوں میں ہمارے ساتھ ساتھ رہا۔

وہ آیا تھا تو خالی ہاتھ نہیں آیا تھا۔ اپنے شب وروز میں رحمتوں، برکتوں، نعمتوں اور شفاعتوں کے تحفے بھر بھر کر لایا تھا، یہ تحفے اللہ رب العزت کی بارگاہ خاص سے عنایت کیے گئے تھے کہ میری دنیا میں جاؤ اور میرے وفاشعار دوستوں کو ڈھونڈو، جو وہاں مجھے ڈھونڈتے پھر رہے ہیں اور ان کے دامن ہمارے ان پاکیزہ تحفوں سے بھردو۔

ہمارا یہ معزز مہمان، ماہ صیام رحمتوں اور برکتوں کی سوغاتوں سے لدا پھدا اللہ کے دوستوں کی تلاش میں یہاں آیا تھا۔ جہاں کسی کو سنا کہ اللہ کو پکارتا ہے، اس نے اس کے دامنِ طلب کو ہدایہ دوست سے بھر دیا۔ رحمتوں، برکتوں، نعمتوں اور شفاعتوں سے مالامال کردیا۔

اب جبکہ وہ ہمارے درمیان سے رخصت ہوگیا تو جاتے ہوئے بھی وہ خالی ہاتھ نہ گیا۔ آتے ہوئے وہ اللہ کے بھیجے ہوئے ہدیوں، تحفوں، رحمتوں اور برکتوں کو اٹھا کر لایا تھا، اور اب جاتے وقت وہ اس کے بندوں کی عبادتوں،

نیکیوں، بھلائیوں کو اکٹھا کر کے لے گیا ہے۔

وہ یہ نذرانے اللہ کے سامنے پیش کرے گا، وہ اس کے حضور ایک ایک روزہ دار کی سفارش وشفاعت کرے گا۔

مہمان کے ساتھ سلوک

آج عید الفطر کے دن، اللہ کے دربار میں، ماہ رمضان دنیا میں پورے تیس دن تک اپنے قیام کی رپورٹ پیش کر رہا ہے اور نام بنام بتاتا جا رہا ہے کہ اس کے ساتھ کس نے کیا سلوک کیا۔ کون اس کی آمد پر خوش ہوا، اور کس نے اسے دیکھ کر تیوریاں چڑھا لیں، کس نے اس کی آؤ بھگت کی اور روزہ داری اور نیکوکاری سے اس کی خاطر تواضع کی، اور کس نے اس کو اپنے گھر میں گھسنے نہیں دیا اور دور ہی سے اسے پھٹکار دیا۔

اس دن دونوں طرح کے لوگوں کے لیے ایک بہتر موقع ہے۔ ان کے لیے جو اپنی کوتاہیوں اور غفلتوں سے اللہ کے فرستادہ اس معزز مہمان کی قدر نہ کر سکے، اور ان لوگوں کے لیے بھی جنہوں نے دل و جان سے اس کی خدمت کی، کہ وہ اس وقتِ خاص میں بارگاہ رب العزت میں سچے دل سے نذرانہ پیش کریں، اس کے حضور صف بستہ ہو جائیں اور اظہار اطاعت کے لیے سربسجود ہو جائیں۔

یہ نذرانہ اور اظہار اطاعت، کوتاہ عمل بندوں کے لیے دربار الٰہی سے بخشش و مغفرت کا وسیلہ بن جائے گا اور نیکوکار بندوں کے لیے رحمت و برکت کا ذریعہ۔

اس عالی مرتبت دربار کے لیے قیمتی سے قیمتی چیز بھی لائق پیش کش نہیں ہو سکتی، اس کے دربار کا انمول تحفہ تو صرف ایک ہی ہے کہ اس کے مستحق بندوں کی حتی المقدور مدد کی جائے، خلق کی خدمت ہی وہ سوغات ہے جو وہاں مرغوب و پسند ہے۔

فطرہ اور دوگانہ عید

اس موقع خاص کے لیے بہترین نذرانہ فطرہ ہے۔ اور بارگاہ الٰہی کے حضور اظہار اطاعت، صلوٰۃ ہے۔

عید الفطر کی تقریب دو اہم باتوں پر مشتمل ہے، ایک فطرہ دوسری دوگانہ نماز۔ فطرہ حقوق العباد سے متعلق ہے، اور نماز عید حقوق اللہ سے تعلق رکھتی ہے۔ مگر اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے ان دونوں چیزوں، نمازوں اور فطرہ میں سے فطرے کو نماز پر ترجیح دی ہے۔ اول یہ کہ اس عید کا نام ہی فطرہ کی نسبت سے عید الفطر رکھا۔ دوسرے یہ کہ فطرہ کی ادائیگی کو نماز کی ادائیگی سے اول رکھا، اور وہ بھی سخت تاکید کے ساتھ کہ نماز سے پہلے فطرہ ادا کرو۔ یہ اصرار اور تاکید ایسی ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ جو نماز سے پہلے بغیر کسی عذر کے فطرہ ادا نہ کرے، اللہ کے حضور اس کی آمد پسندیدہ نہیں۔

جشن عید کا آغاز فطرہ سے ہوتا ہے۔ یہ بارگاہ الٰہی میں بندوں کی طرف سے ایک نذرانہ ہے جو بذات خود ایک التجا اور عرضداشت کی حیثیت رکھتا ہے کہ:

"اے اللہ، اگر ہمارے روزوں میں کوئی کمی رہ گئی ہو، یا ہم نے ماہ صیام کی عبادتوں میں کوئی قصور و کوتاہی کی ہو، تو اس فطرہ کو اس کی تلافی کے لیے قبول فرما لے، اور ہماری نمازوں کو، ہمارے روزوں کو، ہماری نیکیوں اور بھلائیوں اور تلاوت قرآن کو قبول فرما لے، اور ہمارے حق میں ماہ صیام اور مقدس قرآن کی سفارش وشفاعت کو منظور کر لے۔"

اس فطرہ کو ادا کرنے کے بعد رمضان کی ذمہ داریوں کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ تکمیلِ فرض کی خوشی میں سجدۂ شکر بجالانا چاہیے کہ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ عید کی دوگانہ نماز دراصل اسی شکرانہ کی نماز ہے۔ اس نماز میں عام نمازوں سے زیادہ تکبیریں کہنے کی یہی عارفانہ توجیہہ ہے کہ اس کے خادم، تکمیل خدمت کی خوشی میں بے خود ہو جاتے، اور والہانہ طور پر اپنے آقا کا نام لے کر پکارتے ہیں، اس کی عظمت و کبریائی کا اعلان کرتے ہیں، اور اس کی حمد و تقدیس بیان کرتے ہیں۔

رفاہ عامہ

عید الفطر ایک تہوار نہیں بلکہ رفاہ عامہ کی ایک تدبیر بھی ہے۔ جو فطرہ دینے کا اہل ہو اور فطرہ نہ دے، تو اس کی عید ادھوری رہ جاتی ہے، کیونکہ وہ ماہ صیام کی تربیت کو جھٹلاتا ہے، جو غریبوں، مستحقوں کو سہارا دینے اور پسماندہ خاندانوں کو معاشرے کی سطح تک پہنچانے کے لیے ایثار و قربانی کے جذبات پیدا کرتی اور بھوک پیاس کی تکلیف کا احساس دلاتی ہے۔ فطرہ میں جو اجناس یا نقد روپیہ اسلامی معاشرہ کا ہر فرد ادا کرتا ہے وہ مجموعی طور پر ملک وملت کے پسماندہ اور مستحق افراد کی وسیع پیمانے پر مدد کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ اس طرح عید الفطر اور دوسرے تمام اسلامی تہوار ہر سال قومی دولت کو معاشرہ کے ہر طبقہ میں گردش میں رکھتے ہیں۔

عبادت

عید الفطر ایک جشن مسرت ہی نہیں، ایک عبادت بھی ہے۔ یہ ایک بہت بڑی عبادت یعنی روزہ کا اختتام ہے۔ فطرہ ادا کرنے کے بعد یوم فطر کی سب سے پہلی مشغولیت عید کی نماز ہے جو اللہ کے حضور بطور شکرانہ ادا کی جاتی ہے۔ اسلامی معاشرہ کے تمام افراد کا عیدگاہ میں جمع ہونا، مل کر اللہ کی تکبیر بلند کرنا، اس کی حمد وثنا بیان کرنا، اس کے حضور رکوع و سجود کرنا، اس کی بارگاہ کرم سے مغفرت طلب کرنا، بھلائیوں اور رحمتوں کی دعائیں مانگنا شکر و عبادت کی ایک ایسی مقدس فضا پیدا کر دیتا ہے کہ دل میں ایک دوسرے کی طرف جھکنے اور سب کے لیے ایک ہونے اور نیک بننے کی ترغیب پیدا ہو جاتی ہے۔

ہم ایک ہیں

نماز عید کی یہ اجتماعی تقریب جس میں چھوٹے بڑے ہر رنگ، ہر نسل، ہر قبیلہ، ہر برادری، ہر طبقہ سے تعلق رکھنے والے مسلمان اکٹھے ہو جاتے ہیں، مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والوں، مختلف زبان بولنے والوں کی یہ یکجائی ان کے باہمی اتفاق واتحاد کے رجحان کو تقویت دیتی ہے، اور یہ احساس پیدا ہو جاتا ہے کہ ہم علیحدہ نہیں، ہم ایک ہیں، ہم غیر نہیں، ہم بھائی ہیں، ہمارا خدا ایک ہے، ہمارا رسول ایک ہے، ہمارا قبلہ ایک ہے، ہمارا قرآن ایک ہے، ہمارا دین ایک ہے اور ہم ایک بہت بڑی عالمی برادری ہیں جو خدا کی وفاداری اور اطاعت رسول ﷺ کی پیروی و متابعت کے پاکیزہ اصولوں پر وجود میں آئی ہے، ہم کو ایک دوسرے سے نفرت نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ ایک دوسرے سے محبت و معاونت کرنا چاہیے، عید سعید کا یہی مقصود اور یہی پیغام ہے۔

عید الفطر کے دن معمولاتِ نبوی ﷺ

جب ماہ صیام کے دن پورے ہو جاتے، عید کا چاند دیکھ لیا جاتا، اور ایک شب گزر جاتی، تو صبح اللہ کے رسول ﷺ حسب معمول مسجد نبوی ﷺ میں نماز فجر کی امامت فرماتے۔ پھر آپ اپنے کاشانہ مبارک میں تشریف لے جاتے۔ جب کچھ دن چڑھ جاتا تو آپؐ غسل فرماتے، اور صاف ستھرا اجلا لباس زیب تن فرماتے، آنکھوں میں سرمہ پھیرتے، کپڑوں میں خوشبو ملتے، سر کے بالوں میں تیل ڈالتے اور کنگھے سے سنوارتے۔ پھر آپؐ چند کھجور، دودھ اور جو کچھ بھی اس وقت میسر ہوتا وہ نوش فرماتے۔ اس کے بعد اپنے اصحابؓ کے ساتھ عیدگاہ تشریف لے جاتے اور وہاں جو پہلا کام آپؐ کرتے وہ نماز تھی۔ جب لوگ صفوں کو درست کر لیتے تو آپؐ عید کی دو رکعات زائد تکبیروں کے ساتھ پڑھتے۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضرت بلالؓ کا سہارا لے کر کھڑے ہو جاتے، پھر آپؐ مجمع سے جو آپؐ کا خطبہ سننے کے لیے بے چینی سے منتظر ہوتا، خطاب فرماتے، لوگوں کو نصیحت فرماتے، ان کو ہدایات واحکام دیتے۔

چیچنیا میں اسلام اور مسلمان

سید قاسم محمود

فلسطین، کشمیر، فلپائن، صومالیہ، بوسنیا ہرزیگووینا اور چیچنیا، عراق، افغانستان اور پاکستان غرضیکہ عالمِ اسلام کے بیشتر علاقوں میں مسلمانوں کا خون، جیسے کسی صلیبی جنگ میں، بہایا جا رہا ہے۔ موجودہ دفاعی جنگوں کو احیائی تحریکوں کی بجائے آزادی کی جنگیں کہنا چاہیے۔ 1991ء میں سوویت یونین سے آزادی حاصل کرنے کے بعد چیچنیا کو روس اپنے قبضہ، اقتدار میں رکھنے کے لیے اپنی پوری عسکری قوت استعمال کر رہا ہے یہاں ”احیائی تحریکوں“ کے اس سلسلے کے تحت اسلامی جمہوریہ چیچنیا کے امن پسند مسلم عوام کی تحریک آزادی کی بجائے اس عجیب وغریب ملک میں اسلام اور مسلمانوں کے عام حالات کا جائزہ لیا جائے گا“ اس لیے کہ چیچنیا کے بارے میں اہل پاکستان کو معلومات کم حاصل ہیں۔

چیچنیا قفقاز کے شمال مشرق میں واقع ایک چھوٹا سا ملک ہے۔ آزادی کے اعلان سے قبل چیچنیا اور انگوشیا ایک ہی ملک تھے لیکن روس نے سازش کے تحت انگوشیا کو الگ کر دیا، تاکہ چیچنیا کی افرادی قوت کم ہو جائے اور یہاں کے مجاہدین پر قابو پانا آسان ہو جائے۔ اس کا رقبہ تیرہ ہزار تین سو مربع کلومیٹر ہے۔ 1991ء کے اعداد وشمار کے مطابق یہاں کی کل آبادی پندرہ لاکھ سے زیادہ تھی، جس میں دس لاکھ مسلمان، تین لاکھ روسی، ایک لاکھ انگوشی، 41ہزار آرمینی، 3ہزار داغستانی، 51ہزار تاتاری، 4ہزار ترک اور 5ہزار یہودی آباد تھے۔ اس کے شمال مشرق میں داغستان، شمال مغرب میں اوسیتیا اور انگوشیا اور جنوب میں جارجیا واقع ہے۔ دینی اعتبار سے یہاں کے باشندے حنفی مسلک کے ماننے والے راسخ العقیدہ سنّی مسلمان ہیں۔ کمیونسٹ حکومت قائم ہونے کے بعد روس نے دیگر مسلم علاقوں کی طرح یہاں بھی مسلمانوں کی عملی زندگی سے دین اسلام اور اسلامی تہذیب وتمدن کے اثرات کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ اسلامی عبادت وشعائر کی ادائیگی، اسلامی روایات کی پابندی، عربی زبان، یہاں تک کہ عربی حروفِ ابجد کو بھی قانوناً ممنوع قرار دیا گیا۔ ان تمام پابندیوں کے باوجود یہاں کے مسلمانوں نے نہ صرف یہ کہ دین اسلام سے اپنا رشتہ قائم رکھا، بلکہ خفیہ طور پر نئی نسل کی اسلامی خطوط پر تعلیم وتربیت کا ایسا انتظام کیا کہ اُن کے ذہنوں میں دینِ اسلام کی عظمت اور اسلامی تہذیب کی بالادستی رچ بس گئی، اور یہ اُن مخلص اور دور اندیش مسلمان بزرگوں ہی کی کاوشوں کا نتیجہ ہے کہ نئی نسل الحاد و گمراہی اور اباحیت زدہ تہذیب میں ضم ہو جانے سے محفوظ رہ گئی۔

اسلام کا ورود

چیچنیا تک اسلام کی دعوت پہلی صدی ہجری کے دوران ہی پہنچ گئی تھی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں اس ملک پر اسلامی فوج نے قبضہ کر لیا تھا۔ 18 ہجری میں آذربائیجان کو فتح کرنے کے لیے عتبہ بن ابی فرقدؓ اور بکیر بن عبداللہؓ دونوں کی قیادت میں الگ الگ فوجیں روانہ ہوئیں۔ ایک لشکر حلوان سے داخل ہوا، جبکہ دوسرا لشکر موصل سے داخل ہوا اور یہ دونوں فوجیں خلیفہ ثانی کی ہدایت کے مطابق اپنی منزلِ مقصود کی طرف آگے بڑھیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے آذربائیجان کو فتح کر کے اسلامی مملکت کے دائرے میں داخل کرانے میں کامیاب ہوئیں۔

اس کے بعد خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سراقہ بن عمرؓ کو ایک عظیم اسلامی لشکر کے ساتھ باب الابواب ”دربند“ کی مہم پر روانہ کیا اور اللہ کے فضل سے یہ علاقہ بھی فتح کر لیا گیا۔ پھر سراقہ بن عمرؓ نے گرد ونواح کے علاقے فتح کرنے کے لیے اپنی ٹکڑیاں روانہ کیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو شروان، داغستان اور آس پاس کے ملکوں پر فتح نصیب کی، اور یہ تمام ممالک اسلامی خلافت کے دائرے میں داخل ہو گئے اور اس کے بعد یہ فوجیں چیچنیا کی طرف بڑھیں اور اسے 19 ہجری/640ء میں فتح کر لیا (یعنی سندھ وہند سے بھی پہلے)

اپنی روایات کے مطابق مسلم فاتحین نے اس علاقے میں بھی علماء ومبلغین کی ایک جماعت چھوڑی، تاکہ نومسلموں کو اسلام کی بنیادی تعلیمات اور قرآن کی تلاوت کرنا سکھائیں اور وہاں کے باشندوں کو اسلام کی دعوت دیں، مساجد ومدارس قائم کریں تاکہ اس ملک میں اسلامی تہذیب وتمدن کی روشنی پھیلے۔

تیسرے خلیفہ راشد حضرت عثمان بن عفانؓ (23 تا 35ھ) کے عہد میں اللہ تعالیٰ نے سراقہ بن عمرؓ کی قیادت میں مسلمانوں کو آرمینیا کے شہر لان اور تفلیس پر فتح نصیب کی۔ پھر اس مسلم کمانڈر سراقہ نے اپنی فتوحات کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے قرب وجوار کے ممالک کو بھی فتح کر لیا اور فتوحات کا یہ سلسلہ مغرب کے ساحلی علاقوں میں بحرِ قزوین تک پہنچ گیا۔ کچھ زمانہ گزرنے کے بعد یہاں کے لوگ مرتد ہونے لگے تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے شام کے گورنر حضرت معاویہؓ بن ابی سفیان کو ان کی سرکوبی کی ذمہ داری سپرد کی تو حضرت معاویہؓ نے حبیب بن مسلم کی قیادت میں ایک عظیم لشکر کو ان ممالک کی طرف روانہ کیا، تاکہ وہ ان مرتدین کا قلع قمع کر کے یہاں اسلام کی بالادستی قائم کریں۔ تفلیس میں اسلامی فوج نے داخل ہوتے ہی وہاں کے مقامی باشندوں کے ساتھ شفقت، محبت اور نرمی کا برتاؤ کیا۔ ان کی ہر طرح سے دل جوئی اور خبر گیری کی اور اپنے حسنِ سلوک سے یہاں کے عوام کا دل جیت لیا اور یہاں کی اکثریت برضا ورغبت حلقہ بگوش اسلام ہو گئی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کے دورِ خلافت میں سعید بن ساریہ خزاعی اور اشعب بن قیس کندی بالترتیب آذربائیجان کے گورنر مقرر ہوئے۔ حضرت علیؓ نے سوچا کہ آذربائیجان کو صرف فتح کر لینے ہی سے وہاں اسلام کی جڑیں مضبوط نہیں ہوں گی۔ اگر فتح کرنے کے بعد اسے چھوڑ دیا جائے، تو کچھ دنوں کے بعد ارتداد کا سلسلہ پھر ابھر سکتا ہے۔ لہٰذا یہ مسئلہ ختم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ وہاں مسلمانوں کی ایک جماعت کو مستقلاً آباد کیا جائے جو نومسلموں کی دینی تربیت کے علاوہ تبلیغ ودعوت کا فریضہ بھی انجام دے۔ چنانچہ عرب مسلمان آذربائیجان میں آباد ہو گئے۔ وہاں انہوں نے مسجدیں تعمیر کیں۔ مصر اور شام سے مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد ہجرت کر کے ان علاقوں میں آباد ہو گئی اور پھر ان لوگوں نے یہاں بہتر انداز میں اسلام

کی نشر و اشاعت کا فریضہ انجام دیا۔ آذربائیجان کے بعد قفقاز کے بیشتر علاقے بھی اس حکومت کے دائرے میں آ چکے تھے۔ یہ جارجیا، آرمینیا اور چیچنیا کے علاقے تھے۔

اُموی دورِ حکومت میں ولید بن عبدالملک (86-90ھ) نے اسلامی فتوحات کا سلسلہ بڑھاتے ہوئے وسط ایشیا اور قفقاز کے علاقے کے باقی ماندہ ممالک کو فتح کرنے کے لیے فوجوں کو روانہ کیا۔ اسلامی فوجوں کا ان ممالک کے باشندوں کے ساتھ سلوک نہایت مشفقانہ اور مساویانہ رہا، جس کی بدولت یہاں کے باشندے اسلام سے قریب ہونے لگے، بلکہ بعض عدل پسند غیر متعصب عیسائی خاندانوں نے بھی بازنطینی حکمرانوں کے بالمقابل مسلمانوں کا ساتھ دیا۔

خلافتِ عباسیہ (132-656ھ) نے بھی بلادِ قفقاز میں اسلام کی نشر و اشاعت کی طرف پوری توجہ دی۔ علماء اور مبلغین کی جماعتوں کو ان ممالک میں سکونت اختیار کرنے کی غرض سے بھیجا، تاکہ وہ یہاں کے مقامی باشندوں کو اسلام کی تعلیمات دیں اور اسلام کی طرف راغب کرنے کی کوشش کریں۔ چنانچہ چیچنیا کے باشندوں کی اکثریت بھی اپنا پرانا مذہب ترک کرتے ہوئے دین اسلام میں داخل ہوگئی۔ چیچنیا اُموی دورِ حکومت کے اخیر میں اسلامی حکومت کا تابع ہو چکا تھا۔ عباسی دور میں یہاں مسلمانوں کی تعداد میں مزید اضافہ ہوا اور یہ اسلامی مملکت کا ایک اہم ملک بن گیا۔

اسلامی عبادات اور شعائر پر تمام تر پابندیوں کے باوجود چیچنیا کے مسلمانوں نے دین اسلام

اُن کے ذہنوں میں دینِ اسلام کی عظمت اور اسلامی تہذیب کی بالادستی رچ بس گئی

عباسی حکومت جب زوال و ضعف کا شکار ہوئی تو قفقاز کے ممالک نے اپنی آزادی اور خود مختاری کا اعلان شروع کر دیا۔ سب سے پہلے تفلیس اور نجارنی میں آزاد حکومتیں قائم ہوگئیں۔ پھر جب سلجوقیوں کا غلبہ ہوا تو قفقاز پر پانچویں صدی ہجری کے آخر تک ان کا تسلط قائم رہا۔ پھر جب سلجوقیوں کی حکومت کمزور ہوئی تو شمال کے عیسائیوں نے تفلیس پر پھر سے اپنا تسلط قائم کر لیا۔ یہ صورتِ حال یونہی چلتی رہی، یہاں تک کہ منگولوں نے پورے عالمِ اسلام پر قبضہ کر لیا اور اپنی سفاکیت اور وحشت کا مظاہرہ کرتے ہوئے پورے ملک میں ہلاکت و بربادی کا بازار گرم کر دیا۔ 656ء میں بغداد پر قبضہ کرنے کے بعد بلادِ قفقاز کا رخ کیا۔ منگولوں نے یہاں بھی انسانیت سوز وحشیانہ مظالم کا ارتکاب کیا۔

جب منگولوں کی انتقامی و تخریبی کارروائیوں کا طوفان کچھ تھم گیا اور انہوں نے دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ کچھ نرمی کا برتاؤ کیا تو پھر اسلام، عیسائیت اور بودھ مذہب کے ماننے والوں نے ان کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی۔ لیکن مبلغین اسلام کو اس ضمن میں کامیابی ملی اور وہ منگولوں کی ایک بڑی تعداد کو اسلام کے دائرے میں لانے میں کامیاب ہوگئے اور رفتہ رفتہ وہ اسلام دشمن کی بجائے اسلام دوست بلکہ اسلام کے مبلغ بن گئے۔ جب چنگیز خان کو اپنی موت کے قریب آنے کا احساس ہوا تو اس نے اپنی تاتاری حکومت کو اپنے چاروں بیٹوں کے درمیان تقسیم کر دیا۔

1۔ اجتائی۔ اس کے حصے میں مملکت کا مشرقی حصہ آیا، جس میں چین اور اس کے اطراف شامل تھے۔

2۔ چغتائی مملکت کے وسطی حصے کا مالک بنا

3۔ باتو بن جوچی۔ اس کے حصے میں مغربی حصے کی بادشاہت آئی۔

4۔ تولوی۔ اس کے حصے میں بلادِ فارس آیا، جس کے اندر آگے چل کر ہلاکو خان نے ایشیا کے بڑے حصے کو شامل کر لیا۔

مملکت کے جنوبی حصے یعنی آذربائیجان کے علاقے پر تسلط کے لیے ان بھائیوں کے درمیان کشمکش ہوئی، جس نے منگولوں کی طاقت کو کمزور کر دیا اور پھر یہ وسیع سلطنت چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تبدیل ہوگئی۔ پھر ان کے درمیان قفقاز کے علاقے پر تسلط کے لیے بھی جنگ ہوئی، اور ایک زمانے تک یہ علاقہ جنگ و جدال کا مرکز بنا رہا۔

یہاں تک کہ عثمانی سلطنت کے قیام کے بعد یہ سلسلہ بند ہوا اور یہ پورا علاقہ عثمانی سلطنت کے دائرے میں آ گیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلامی مملکت کے دائرے کو وسیع کرنے اور ہر طرح سے اسلام کی مدافعت کرنے پر عثمانی حکومت کا اہم رول رہا۔ یہی وجہ ہے کہ دشمنانِ اسلام عثمانی خلافت کو ختم کرنے کے درپے ہوگئے۔ چیچنیا اور بلادِ قفقاز بھی عثمانی سلطنت میں شامل ہوگئے۔ عثمانی سلطنت کی بھی یہ پالیسی رہی ہے کہ جب بھی انہوں نے کسی علاقے کو فتح کیا تو تعلیم و تربیت کی غرض سے وہاں جید علماء کی جماعت کو بھیجنے کا اہتمام کیا، تاکہ اس علاقے میں اسلام کی دعوت تیزی سے پھیل سکے۔ اسی طرح عثمانی سلاطین کی یہ روایت بھی رہی ہے کہ انہوں نے جس کسی ملک کو فتح کیا تو وہاں مساجد و مدارس کا جال بچھا دیا، جہاں اسلامی علوم و فنون کے ساتھ سائنسی علوم کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔

رُوس اور مغربی ممالک کو اسلام کی بڑھتی ہوئی مقبولیت ایک آنکھ نہ بھائی اور اس علاقے میں مسلمانوں کی آبادی کم کرنے کی غرض سے ان علاقوں میں عیسائی مشنری بھیجنا شروع کیے، لیکن مغرب کی یہ کوششیں بار آور نہ ہوئیں۔ عثمانی سلاطین نے مسیحیت کو پھیلنے سے روک دیا، بلکہ اُلٹا نتیجہ یہ نکلا کہ بعض عیسائی قبائل بھی اسلام کے دائرے میں آ گئے۔

لیکن روس چیچنیا میں عیسائیت کو فروغ دینے کی کوششوں سے باز نہیں آیا، بلکہ عسکری اور فوجی مہمات کا سلسلہ بھی جاری کر دیا۔ چنانچہ روس نے 1850ء میں چیچنیا پر پوری طرح قبضہ کر لیا، اُس نے طاقت کے زور پر حکومت شروع کی۔ چونکہ یہاں کے عوام کی اکثریت مسلمان تھی، اس لیے اسلام اور مسلمانوں پر طرح طرح کی پابندیاں عائد کی گئیں اور مسلمانوں کو عیسائیت قبول کرنے پر مجبور کیا گیا۔ چیچنیا کے شہروں اور دیہات میں موجود تمام مساجد کو مسمار کر دیا گیا۔ مثال کے طور پر دارالسلطنت غروزنی سے قریب ایک شہر بریغوردنی میں متعدد مساجد، خانقاہوں اور اجتماعی عبادت کے دیگر مقامات کو روسی حکومت نے بند کر دیا۔ مساجد و مدارس کو بند کرنے اور اُن کو مسمار کرنے کا یہ سلسلہ 1943ء تک چلتا رہا۔ انہوں نے یہاں کے اصل باشندوں کو سائبیریا ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا، لیکن مساجد کی تالا بندی اور جبری جلاوطنی نے چیچنیا کے مسلمانوں کے عقائد میں کوئی کمزوری پیدا نہیں کی، بلکہ اُن کی ایمانی قوت میں مزید اضافہ ہوا۔ ان لوگوں نے اپنے دینی عقائد اور اسلامی شعائر کی حفاظت کی۔ روسی حکمرانوں نے جب یہ دیکھا کہ اس طرح کی تادیبی کارروائیوں کا کوئی اثر نہیں ہوا تو انہوں نے یہاں کے جلاوطن (مہاجر) باشندوں کو 1978ء میں وطن واپس آنے کی اجازت دے دی، لیکن اُس وقت یہاں پورے ملک میں کوئی ایک مسجد بھی نہیں رہ گئی تھی۔

(جاری ہے)

اسلام آباد کی اشرافیہ اور طالبان

حامد میر

سترہ سالہ دانیال کے ایک انکار نے اسلام آباد کی اشرافیہ کو حیران نہیں بلکہ پریشان کر دیا۔ انکار کا یہ واقعہ پاکستان نیشنل کونسل آف دی آرٹس کے ڈرامہ ہال میں پیش آیا جہاں وفاقی دارالحکومت کے ایک معروف انگریزی میڈیم اسکول کی تقریب تقسیم انعامات جاری تھی۔ رمضان المبارک کے باعث یہ تقریب صبح دس بجے سے بارہ بجے کے درمیان منعقد کی گئی اور اتوار کا دن ہونے کے باعث ڈرامہ ہال طلبہ و طالبات کے والدین سے بھرا ہوا تھا۔ ان والدین میں شہر کے معروف لوگ شامل تھے۔ اس تقریب پر مغربی ماحول اور مغربی موسیقی غالب تھی جس میں حیرانی کی کوئی بات نہ تھی۔ تقریب کی تمام کارروائی انگریزی میں ہو رہی تھی اور انگریزی زبان جہاں بھی جاتی ہے اپنی تہذیب کو ساتھ لے کر جاتی ہے۔ اس دوران اسکول کی طالبات نے جنید جمشید کے ایک پرانے گیت پر رقص پیش کیا۔ یہ گیت ایک سانولی سلونی محبوبہ کے بارے میں تھا جو شہر کے لڑکوں کو اپنا دیوانہ بنالیتی ہے۔ نوعمر طالبات نے اس گیت پر دیوانہ وار رقص کیا۔ حاضرین میں موجود کئی طلبہ نے اپنے والدین کی موجودگی کی پروانہ کرتے ہوئے محو رقص طالبات کو چیخ چیخ کر داد دی۔

اس رقص کے بعد اسٹیج سے اولیول اور اے لیول کے امتحانات میں نمایاں پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ و طالبات کے نام پکارے جانے لگے۔ گولڈ میڈل حاصل کرنے والی بعض طالبات اسکارف اور برقعے میں ملبوس تھیں۔ ایک طالب علم ایسا بھی تھا جس کے چہرے پر نئی نئی داڑھی آئی تھی اور جب پرنسپل صاحبہ نے اس کے گلے میں گولڈ میڈل ڈال کر اس کے ساتھ ہاتھ ملانا چاہا تو دبلے پتلے طالب نے نظریں جھکا کر اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ پرنسپل صاحبہ نے پوچھا کہ کیا تم ہاتھ نہیں ملانا چاہتے؟ طالب علم نے نفی میں سر ہلایا اور اسٹیج سے نیچے اتر آیا۔ پھر دانیال کا نام پکارا گیا جو اے لیول مکمل کرنے کے بعد ایک امریکی یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہے اور صرف گولڈ میڈل حاصل کرنے کے لیے اپنے پرانے اسکول کی تقریب میں بلایا گیا تھا۔ وہ گولڈ میڈل وصول کرنے کے لیے پرنسپل صاحبہ کی طرف نہیں گیا بلکہ ڈائس پر جا کھڑا ہوا اور مائیک تھام کر کہنے لگا کہ وہ اپنے اسکول کی انتظامیہ کا بہت شکرگزار ہے کہ اسے گولڈ میڈل کے لیے نامزد کیا گیا لیکن اسے افسوس ہے کہ مذکورہ تقریب میں اسکول کی طالبات نے رمضان المبارک کے تقدس کا خیال نہیں کیا اور واہیات گیت پر رقص پیش کیا۔ اس نے کہا کہ مسلمانوں کے ملک میں رمضان المبارک کے تقدس کی پامالی کے خلاف بطور احتجاج وہ گولڈ میڈل وصول نہیں کرے گا۔ یہ کہہ کر وہ اسٹیج سے اتر آیا اور ہال میں ہڑبونگ

> **دانیال نے کہا: مجھے افسوس ہے کہ اسکول کی طالبات نے رمضان المبارک کے مہینے میں واہیات گیت پر رقص کیا۔ ایک مسلمان ملک میں رمضان المبارک کے تقدس کی پامالی پر میں بطور احتجاج گولڈ میڈل وصول نہیں کرتا**

مچ گئی۔ کچھ والدین اور طلبہ تالیاں بجا کر دانیال کی حمایت کر رہے تھے اور کچھ حاضرین غصے سے پاگل ہو کر اس نوجوان کو انگریزی زبان میں برا بھلا کہہ رہے تھے۔ بوائے کٹ بالوں والی ایک خاتون اپنی نشست سے کھڑی ہو کر زور زور سے چیخیں...... "گیٹ آؤٹ طالبان، گیٹ آؤٹ طالبان"۔

ایسا محسوس ہوتا تھا کہ دانیال کے مخالفین حاوی ہیں کیونکہ وہ بہت زیادہ شور کر رہے تھے لیکن یہ ہڑبونگ وفاقی دارالحکومت کی اشرافیہ میں ایک واضح تقسیم کا پتہ دے رہی تھی۔ یہ تقسیم لبرل عناصر اور بنیاد پرست اسلام پسندوں کے درمیان تھی۔ پرنسپل صاحبہ نے خود مائیک سنبھال کر صورتحال پر قابو پایا اور تھوڑی دیر کے بعد ہوشیاری سے ایک خاتون اناؤنسر کو اسٹیج پر بلا لیا اور خاتون نے اپنی گرجدار آواز میں دانیال کو ڈانٹ پلاتے ہوئے کہا تم نے جو کچھ بھی کیا وہ بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کی تعلیمات کے خلاف تھا، کیونکہ بانیٔ پاکستان رواداری کے علمبردار تھے۔ پچھلی نشستوں پر براجمان ایک اسکارف والی طالبہ بولی کہ بانیٔ پاکستان نے یہ کب کہا تھا کہ مسلمان بچیاں رمضان المبارک میں اپنے والدین کے سامنے سانولی سلونی محبوبہ بن کر ڈانس کریں؟ ایک دفعہ پھر ہال میں شور بلند ہوا اور اس مرتبہ بنیاد پرست حاوی تھے۔ لہٰذا پرنسپل صاحبہ نے مائیک سنبھالا اور کہا کہ طالبات کے رقص سے اگر کسی کے جذبات مجروح ہوئے ہیں تو وہ معذرت خواہ ہیں۔

اس واقعے نے اسلام آباد میں ایک مغربی سفارت خانے کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا۔ سفارت خانے نے فوری طور پر ایک ماہر تعلیم کی خدمات حاصل کیں اور اسے کہا گیا کہ وہ اسلام آباد کے پانچ معروف انگریزی میڈیم اسکولوں میں اولیول اور اے لیول کے ایک سو طلبہ و طالبات سے امریکی پالیسیوں، طالبان اور اسلام کے بارے میں رائے معلوم کریں۔ اس سروے کے حتمی نتائج ابھی مرتب نہیں ہوئے لیکن مجھے بتایا گیا ہے کہ اولیول اور اے لیول کے طلبہ و طالبات کی ایک بڑی اکثریت امریکہ اور طالبان دونوں سے نالاں ہے لیکن امریکہ کو بڑا دہشت گرد سمجھتی ہے۔ سروے کے دوران بعض طلبہ نے "خطرناک حد تک" طالبان کی حمایت کی اور کہا کہ طالبان دراصل امریکہ اور پاکستانی حکومت کے ظلم اور بمباری کا ردعمل ہیں اور انہیں دہشت گرد قرار نہیں دیا جاسکتا تاہم ایسے طلبہ دس فیصد سے بھی کم تھے۔ اس سروے سے مغرب کو کم از کم یہ پتہ ضرور چل جائے گا کہ اسلام آباد کے انگریزی میڈیم اسکولوں میں طالبان کے دس فیصد حامی موجود ہیں۔ یہ بھی ثابت ہو جائے گا یہ طالبان صرف دینی مدارس میں پیدا نہیں ہوتے بلکہ وقت اور حالات انگریزی میڈیم طالبان بھی پیدا کر سکتے ہیں۔ ذرا سوچئے! ان دس فیصد میں سے ایک یا دو فیصد طلبہ وہی راستہ اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیں جو طالبان نے اختیار کر رکھا ہے تو ذمہ دار کون ہوگا؟ ذرا سوچئے! پاکستان کے قبائلی علاقوں میں آئے روز امریکی بمباری سے بے گناہ

عورتوں اور بچوں کی ہلاکت پر آپ اور میں بے چین ہو جاتے ہیں تو کیا ہمارے پندرہ سولہ سال کے بچے بے چین نہ ہوتے ہوں گے؟ امریکی میزائل حملوں نے نئی نسل میں یہ تاثر عام کیا ہے کہ پاکستان کو امریکہ کی ریاستی دہشت گردی کا سامنا ہے اور پاکستان کی حکومت اس دہشت گردی کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں ہے۔ یہ تاثر امریکہ مخالف جذبات کو تیزی سے بھڑکا رہا ہے اور اگر حکومت صورت حال سنبھال نہ سکی تو بہت جلد پاکستان میں ایک ایسی امریکہ مخالف عوامی تحریک جنم لے سکتی ہے جس کو نہ تو نئی حکومت روک سکے گی اور نہ ہی فوج روک سکے گی۔

ہماری حکومت کو تذبذب اور گومگو کی کیفیت سے نکلنا ہوگا۔ جب قبائلی علاقوں میں طالبان حکومت کی رٹ تسلیم نہیں کرتے تو ہماری فوج ان پر ٹینک چڑھا دیتی ہے لیکن جب امریکی طیارے ہماری قومی خود مختاری کا مذاق اڑاتے ہیں تو ہم صرف چند بیانات پر اکتفا کرتے ہیں۔ پچھلے دنوں آرمی چیف اشفاق پرویز کیانی نے ایک بیان دیا کہ امریکہ کو پاکستان پر مزید حملوں کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ اس بیان پر انہوں نے خوب داد وصول کی۔ قوم کا خیال تھا کہ قبائلی علاقوں میں تعینات ایک لاکھ فوج امریکیوں کو دوبارہ پاکستان میں نہیں گھسنے دے گی لیکن اگلے ہی دن شمالی وزیرستان میں ایک اور حملہ ہو گیا جس میں ایک دفعہ پھر عورتیں اور بچے مارے گئے۔

اس حملے کے بعد ہمارے وزیراعظم صاحب نے فرمایا کہ ہم امریکہ کے ساتھ جنگ نہیں کر سکتے۔ ایک ایٹمی طاقت کے وزیراعظم کا بیان پڑھ کر میرا سر شرم سے جھک گیا۔ آپ امریکہ سے نہیں لڑ سکتے تو نہ لڑیں لیکن کم از کم امریکی فوج کے لیے پاکستان کے راستے سے جانے والی سپلائی تو بند کر دیں۔ امریکی طیاروں کو پاکستان کے راستے سے ایندھن جاتا ہے اور یہ ایندھن پاکستان کے خلاف استعمال ہو رہا ہے۔ امریکہ کی لڑائی اب طالبان اور القاعدہ کے خلاف نہیں بلکہ پاکستان کے خلاف ہے۔ پاکستانی ریاست نے امریکی دہشت گردی کے خلاف کمزوری دکھائی تو پاکستان کے بڑے شہروں میں شدت پسندی کی لہر ابھر سکتی ہے جو جمہوری اداروں اور سیاسی جماعتوں کو کمزور کر دے گی۔ نئی جمہوری حکومت امریکی دہشت گردی کے خلاف عوامی جذبات کی ترجمانی کرے۔ مشتعل جذبات نے عوامی تحریک کی شکل اختیار کر لی تو حکومت کے پاس کچھ نہ بچے گا اور "گیٹ آؤٹ طالبان" کہنے والے اسلام آباد، لاہور اور کراچی میں طالبان سے بچتے پھریں گے۔ (بشکریہ روزنامہ "جنگ")

خوشخبری

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام

دینی و عصری علوم کی منفرد دانش گاہ

کلیۃ القرآن (قرآن کالج)

امسال بورڈ/یونیورسٹی کی تعلیم کے ساتھ درس نظامی کی تعلیم کا آغاز بھی کیا جا رہا ہے

قیام و طعام کی سہولت موجود ہے

191 اتاترک بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن لاہور۔ فون: 5833637 (042)

علم دین اور فکرِ حاضر کے حسین امتزاج کی ایک منفرد کوشش

خصوصیات

- ★ تجربہ کار اور اعلیٰ تعلیم یافتہ اساتذہ
- ★ قرآنی موضوعات پر خصوصی فکری و عملی رہنمائی
- ★ تعلیم و تربیت کا بہترین انتظام
- ★ طلبہ کی تخلیقی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے بہترین مواقع
- ★ علوم اسلامیہ کے ساتھ جدید علوم یعنی درس نظامی مع میٹرک، ایف اے، بی اے، ایم اے
- ★ اسباق وفاق المدارس العربیہ اور لاہور بورڈ کے نصاب کے مطابق
- ★ خوبصورت عمارت اور کلاس روم
- ★ کمپیوٹر لیب ★ بہترین اور مکمل لائبریری
- ★ کانفرنس ہال اور اسپتال
- ★ اسلامی اخلاقیات کی مکمل پابندی
- ★ رہائش کے لیے بہترین ہوادار اور روشن کمرے
- ★ خوراک حفظان صحت کے اصولوں کے مطابق
- ★ طلبہ کی تفریح کی ضروریات پوری کرنے کی سہولیات
- ★ وقت کا موزوں استعمال
- ★ مواقع تفریح کی فراہمی

شرائط داخلہ

- ★ دینی مدارس کے طلبہ درجہ اولیٰ کے لیے درجہ متوسطہ اور درجہ ثانیہ کے لیے درجہ اولیٰ پاس ہونا لازمی ہے
- ★ دیگر تعلیمی اداروں سے کم از کم مڈل
- ★ اپنے علاقے کے عالم دین سے یا سابقہ مدرسے سے تصدیق نامہ
- ★ سرپرست کی طرف سے ضمانت نامہ
- ★ ٹیسٹ اور انٹرویو میں کامیابی

معلومات داخلہ

- ★ داخلے امسال شعبان سے لے کر 20 شوال تک جاری رہیں گے
- ★ 21 شوال کو ٹیسٹ/انٹرویو ہوگا ان شاء اللہ
- ★ 22 شوال کو رزلٹ کا اعلان ہوگا
- ★ 25 شوال سے اسباق کا آغاز ہوگا ان شاء اللہ
- ★ تفصیلی معلومات کے لیے ناظم اعلیٰ کلیۃ القرآن/ناظم شئون الطلاب قرآن اکیڈمی لاہور سے رابطہ کریں۔

دیگر شہروں میں رابطہ مراکز:

- کراچی: قرآن اکیڈمی، DM-55 دفتر، خیابان راحت، فیز 6، ڈیفنس کراچی فون: 3-(021)5340022
- پشاور: 18-A ناصر مینشن، شعبہ بازار، روڈ نمبر 2۔ فون: 2214495 (091)
- ملتان: قرآن اکیڈمی، 125 کالونی فون فیکس: (061)6520451
- فیصل آباد: انجمن خدام القرآن، قرآن اکیڈمی روڈ، سعید کالونی نمبر 2۔ فون: (041)8520869
- اسلام آباد: 31/1 1-6/4 فون: (051)4434438

مقامی و دیگر شہروں کے طلبہ کے لیے درجہ اولیٰ اور ثانیہ (میٹرک) میں نئے تعلیمی سال کے داخلے جاری ہیں

برائے رابطہ

ناظم اعلیٰ کلیۃ القرآن (قرآن کالج) 191۔ اتاترک بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن۔ لاہور فون: 5833637 - 5860024 (042)

ذیلی دفتر: ناظم شئون الطلاب قرآن اکیڈمی K-36 ماڈل ٹاؤن، لاہور۔ فون: 3-(042)5869501 فیکس: (042)5834000 ای میل: irts@tanzeem.org

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام قرآن اکیڈمی کے

رجوع الی القرآن کورس پارٹ (ا)

میں داخلے کے لیے طالبانِ قرآن سے درخواستیں مطلوب ہیں!

تعلیم یافتہ حضرات کے لیے قرآن حکیم کو سمجھنے اور فہم دین کے حصول کا سنہری موقع

یہ کورس بنیادی طور پر گریجوایشن اور پوسٹ گریجوایشن کے لیے ترتیب دیا گیا ہے تاکہ وہ حضرات جو کم از کم گریجوایشن کی سطح تک اپنی دنیاوی تعلیم مکمل کر چکے ہوں اور اب بنیادی دینی تعلیم بالخصوص عربی زبان سیکھ کر فہم قرآن کے حصول کے خواہش مند ہوں انہیں اس کورس کے ذریعے ایک ٹھوس بنیاد فراہم کر دی جائے تاہم بعض استثنائی صورتوں میں ایف اے کی بنیاد پر بھی اس کورس میں داخلہ لیا جا سکتا ہے۔

نصاب

۱) عربی صرف و نحو
۲) ترجمہ قرآن (تقریباً پانچ پارے)
۳) آیاتِ قرآنی کی صرفی و نحوی تحلیل (تقریباً دو پارے)
۴) قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی (منتخب دروسِ قرآن)
۵) تجوید و حفظ
۶) مطالعۂ حدیث
۷) اصطلاحاتِ حدیث
۸) اضافی محاضرات

o کورس کا آغاز 13 اکتوبر 2008ء سے ہوگا اور کورس کا دورانیہ نو (9) ماہ ہوگا۔ ان شاء اللہ

کورس کا تفصیلی پراسپکٹس

جس میں داخلے سے متعلق ضروری معلومات کے علاوہ کورس میں شامل مضامین کی تفصیل، طریق تدریس اور نظام الاوقات کی وضاحت بھی شامل ہے، درج ذیل پتے سے حاصل کریں:

ناظم شعبۂ تدریس، قرآن اکیڈمی

36۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور (فون: 3-5869501) email :irts@tanzeem.org

اسرہ جوہر آباد کا ایک روزہ تربیتی و تعارفی پروگرام

تنظیم اسلامی سرگودھا کے زیر اہتمام 24 اگست 2008ء کو اسرہ جوہر آباد میں ایک روزہ تربیتی و تعارفی پروگرام منعقد کیا گیا۔ جس میں 10 ملتزم اور 5 مبتدی رفقاء نے شرکت کی۔ اس پروگرام کی تربیتی نشست کا آغاز ساڑھے نو بجے ہوا۔ سب سے پہلے حافظ محمد عبداللہ (نقیب اسرہ سیٹلائٹ ٹاؤن) نے تجوید القرآن کے حوالے سے رفقاء کی قرأت میں پائی جانے والی غلطیوں کی نشاندہی کی۔ اس کے بعد ملک محمد افضل اعوان نے ''عظمت صوم'' کے موضوع پر بیان کیا۔ عبدالخالق نے فرائض دینی کا جامع تصور کے موضوع پر مذاکرہ کروایا۔ چائے کے وقفہ کے بعد ساڑھے گیارہ بجے نقیب اسرہ جوہر آباد ''محمد ارشد'' نے ''اسلام کا معاشی نظام'' کے موضوع پر ایک مفصل گفتگو کی۔ انہوں نے اسلام کے معاشی نظام کے خدوخال واضح کیے نیز بتایا کہ پاکستان کے معاشی نظام میں کیا کیا خرابیاں ہیں اور انہیں کس طرح دور کیا جاسکتا ہے۔ تربیتی نشست کے آخری پروگرام میں ملک محمد افضل اعوان نے تذکیر کرائی اور رفقاء کے سوالات کے جوابات دیے۔

نماز ظہر کے بعد کھانے کا وقفہ ہوا۔ کھانے کا انتظام جوہر آباد کے ملتزم رفیق خالد وسیم نے کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ انہیں اجر عظیم عطا فرمائے۔ (آمین)

نماز عصر کے بعد نقیب اسرہ جوہر آباد اور رفقاء نے ایک تعارف پروگرام کا اہتمام کیا، جس میں 7 احباب نے شرکت کی۔ اس پروگرام میں تنظیم اسلامی سرگودھا کے مقامی ناظم دعوت جناب طاہر بشیر نے ''ہماری دینی ذمہ داریاں'' کے موضوع پر سیر حاصل گفتگو کی اور شرکاء کے سوالات کے جوابات دیے، جسے ساتھیوں نے بہت سراہا۔ آخر میں مقامی امیر تنظیم شیخ رفیع الدین نے اختتامی کلمات کہے۔ دعا کے ساتھ اس پروگرام کا اختتام ہوا۔ (رپورٹ: کمال دین)

تنظیم اسلامی اُسرہ تھانہ ملاکنڈ ایجنسی کی دعوتی سرگرمیاں

30 اگست 2008ء کو تھانہ ملاکنڈ ایجنسی میں دو دعوتی اجتماعات ہوئے۔ مسجد خاور گاڑے میں فیض الرحمٰن نے ''عبادت رب'' کے موضوع پر بیان کیا۔ اس میں 30 افراد شریک ہوئے، نماز عشاء کے بعد ایک مقامی حجرے میں رفقاء اور احباب کے ساتھ خصوصی نشست ہوئی جس میں مقامی ناظم دعوت نے دعوت دین کی اہمیت کے حوالے سے گفتگو کی۔ اس نشست میں تیس 30 افراد نے شرکت کی۔ 31 اگست کو نماز فجر کے بعد حراء جماعت میں ناظم دعوت نے رمضان کے حوالے سے درس قرآن دیا۔ بعدازاں ساڑھے دس بجے رفقاء و احباب کے ساتھ ایک گھنٹہ کی خصوصی نشست ہوئی، جس میں دعوت دین کے حوالے سے گفتگو ہوئی۔ نماز ظہر کے بعد ''روزے کی حقیقت'' کے موضوع پر نوشہرہ سے خصوصی طور پر مدعو کیے گئے مہمان مقرر قاضی فضل حکیم نے اپنے مخصوص انداز میں خطاب کیا۔ انہوں نے واضح کیا کہ روزہ کا مقصد تقویٰ ہے۔ جب دل میں تقویٰ پیدا ہوجائے تو قرآن سے تعلق بڑھ جاتا ہے۔ اس کے بعد شرکاء میں تنظیم کا لٹریچر تقسیم کیا گیا۔ یہاں حلقہ کی جانب سے ایک سٹال بھی لگایا گیا تھا، جس میں شرکاء نے کافی دلچسپی لی، اور کتب خریدیں۔ اس پروگرام میں 50 افراد شریک ہوئے۔ نماز عصر کے بعد مسجد عظیم خان میں فضل حکیم نے ایمان بالآخرہ کے موضوع پر تقریر کی، جسے 50 افراد نے سنا۔ بعدازاں ان افراد میں تنظیم کا لٹریچر اور ندائے خلافت تقسیم کیے گئے، کئی شرکاء نے کتب بھی خریدیں۔

نماز مغرب کے بعد ''جماعت'' میں دین اور مذہب کے فرق پر گفتگو کی گئی۔ اس پروگرام میں 100 افراد شریک ہوئے۔ نماز عشاء کے بعد حراء جماعت میں قاضی فضل حکیم نے ''بندۂ مومن'' کے اوصاف کے موضوع پر گفتگو کی۔ اختتام پر شرکاء میں لٹریچر تقسیم کیا گیا، بہت سے احباب نے مکتبہ سے کتب بھی خریدیں۔ (رپورٹ: شیر محمد)

نعت رسولؐ مقبول

جعفر طیار

نبی کی رہ پہ چلن ہو تو نعت ہوتی ہے
جو سنتوں سے لگن ہو تو نعت ہوتی ہے
نہیں ہے نعت فقط نام شعر گوئی کا
عمل مآلِ سُخن ہو تو نعت ہوتی ہے
جو کوئی مدحِ محمدؐ میں محو ہو بلبل
حدیث اُس کا چمن ہو تو نعت ہوتی ہے
فقط زباں ہی نہیں دل بھی ہو غلام اُن کا
مطیع سارا بدن ہو تو نعت ہوتی ہے
کلامِ میرِ امم سے قرار ملتا ہے
حدیث سایہ فگن ہو تو نعت ہوتی ہے
قلم محاذِ نگارش میں تیغ بن جائے
کہ بدعتوں کا ہَنن ہو تو نعت ہوتی ہے
کبھی بھی ملک و وطن کے نہ دین ہو تابع
جو دیں کے تابع وطن ہو تو نعت ہوتی ہے
جہان بھر میں نفاذِ نظامِ حق کے لیے
قبول دار و رسن ہو تو نعت ہوتی ہے
ہر ایک شعر گرے برق بن کے باطل پر
نظامِ ضرب کہن ہو تو نعت ہوتی ہے
خدا کی رہ میں بہے خوں کی آبیاری سے
جہاں میں سرو و سَمن ہو تو نعت ہوتی ہے
سنو اے نعت نگارو! کہ صدق گوئی سے
جگر ہلانے کا فن ہو تو نعت ہوتی ہے
یہ شعر و فکر و تخیل کا قافلہ جعفر
عمل کی دُھن میں مگن ہو تو نعت ہوتی ہے

اطلاع

امسال ندائے خلافت کے شمارہ نمبر 34 میں باجوڑ کے متاثرین رفقا اور احباب کی مدد کے لیے اپیل کی گئی تھی اور اِس مقصد کے لیے ایک فنڈ قائم کیا گیا تھا۔ اِس سلسلہ میں ہم سے بھرپور تعاون کیا گیا جس پر ہم سب حضرات کے تہہ دل سے شکر گزار ہیں۔ اِس فنڈ میں اب مزید مالی تعاون کی ضرورت نہیں رہی، لہٰذا تمام کرم فرماؤں سے درخواست ہے کہ وہ اِس فنڈ میں مزید رقوم جمع نہ کرائیں۔ ہم سب معاونین کے لیے دعا گو ہیں کہ اللہ رب العزت انہیں اجر عظیم عطا فرمائے۔ شکریہ! تنظیم اسلامی۔

cordingly, by performing the five obligatory practices — five pillars — and the other activities n in the revealed guidance. At this level, *Taqwa* or God wariness — a preliminary or starting et a persistent continuent throughout the myriad development of true inner religiosity — is the rd which means that the order of submission and obedience is prior to knowledge of truth and existential sense of the presence of God *(ihsan)*. The order of obedience comes before the g of truth, for, whatever our lights it is only in and after our practice that our disclosures are Religious truth is a living into truth, a performative truth. The discovery of the ultimate truth is ade *after* the aspirant is true to hoped-for truth: it requires both antecedent and concomitant nce. I cannot here resist the temptation of quoting Prof. W. C. Chittick who has delved very n the hadith of Gabriel in his book *The Vision of Islam*:

> ehind all the stress on practice is the recognition that the Qur'an must become flesh and ood. It is not enough for people to read the Qur'an or learn what it says. They have to mbody the Book. It must become the determining reality of what they do *(islam)*, what they hink *(iman)*, and what they intend *(ihsan)*. (P. 9)

ear readers, really meaningful and vibrant Islamic religious discourse necessarily demands, indeed he product of, individual and collective Islamic practice and endeavor. Divorced form action, it is jumble of lifeless words and sounds. Grasping religious truth requires active participation, lvement, a "being *da'ee* (leader) or disciplined member of a well-knit group" that personally s the speech. By the same token, any proposal or agenda conceived and presented for ameliorating decadence of Islam and reforming and reorganizing Muslims necessitates that to be meaningful it t accompany action and concrete effort. It is action and organized concrete endeavor that leads to eiling of many new and subtle points and refinements which could not possibly be conceived or alized merely at the theoretic level. Unveiling through practical involvement can add depth of erstanding, clarity of vision, certainty, and so on to the strategic program and its underlying trine. Otherwise it will on the whole remain sterile, empty and impactless, even though it may find or with a few academicians with absolutely non-committal attitude. Dr. Israr Ahmad has very mmendably followed this principle in his study and understanding of the Holy Book and the *seerah* the Prophet Muhammad (SAWS)

بقیہ: اداریہ

ہمیں اس صورت حال کو Light نہیں لینا چاہیے اور ہم اِس عید سعید کے موقع پر پوری قوم خصوصاً دانشوروں، سیاست دانوں، مذہبی رہنماؤں، وکلاء اور صحافیوں گذارش کرتے ہیں کہ وہ سوچیں کہ ہمارا معاشرہ افتراق وانتشار کا شکار کیوں ہوگیا ہے؟ 1971ء میں ہمارے جسم کا ایک حصہ کٹ کر ہم سے کیوں الگ ہوگیا؟ اتحا اتفاق کا درس دینے والے علماء ایک دوسرے کے پیچھے نماز کیوں نہیں پڑھتے؟ سندھ اور بلوچستان میں پنجابی کو گالی دینا فیشن کیوں بن گیا ہے؟ امیر اور غریب کے درمیان ناقابل عبور کیوں ہوتی جارہی ہے؟ ان سب سوالوں کا سیدھا سادا اور اٹل جواب یہ ہے کہ جو نظریاتی ملک اپنے نظریے سے عملی طور پر منحرف ہو جائے گا وہ سوویت یونین طرح چکنا چور ہو جائے گا۔ کاش! ہم سمجھ جائیں کہ بنیاد قائم نہ رہے تو ڈھانچہ بھی قائم نہیں رہ سکتا۔ نظریہ اور وجود، روح اور جسم کی مانند ہوتے ہیں۔ روح پرواز کر جائے تو دفنا دیا جاتا ہے، وگرنہ گل سڑ کر بدبو پھیلاتا ہے۔ اسلام کے نام پر بننے والے ملک میں سے اسلام کو خارج کر دیں گے تو رنگ، نسل، زبان اور مٹی کی بنیاد پر علیحدگی کی خواہ فطری ہوگی۔ اگر جوڑنے والی شے یعنی اسلام کو فوقیت حاصل نہیں ہوگی تو قوم نہیں قومیتیں وجود میں آئیں گی۔

بہر حال امریکہ، بھارت اور اسرائیل کا اتحاد ثلاثہ دہشت گردی، ایٹمی پھیلاؤ، عدم جمہوریت اور آئی ایس آئی پر تخریب کاری کے الزام کی آڑ میں ہم پر فیصلہ کن حملہ کی تیاری کر رہا ہے۔ ہم قوم کو عید سعید کے مبارک موقع پر یہ پیغام دیتے ہیں کہ ابھی وقت ہے، آیئے! قرآن کو اپنا امام بنا کر، اسلام کے جھنڈے کو تھام کر میدانِ عمل میں اتریں۔ اگر ہم اسلام کا عادلانہ نظام قائم کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو اس اتحادِ ثلاثہ کی کیا حیثیت ہے، تمام عالم کفر متحد ہو کر بھی ایک ایٹمی قوت کی حامل اسلامی ریاست کو آنکھیں دکھانے کی جرأت نہ کر سکے گا۔ پاکستان کی اکسٹھ سالہ تاریخ چیخ چیخ کر یہ بھی کہہ رہی ہے کہ یہاں اسلامی نظام کبھی انتخابات کے نتیجہ میں نافذ نہیں ہوسکتا اس کے لیے انقلابی جدوجہد درکار ہے۔ علاوہ ازیں جو لوگ اِس خوش فہمی کا شکار ہیں کہ زیادہ سے زیادہ لوگ نماز روزہ کی طرف متوجہ ہو گئے تو حالات خود بخود درست ہو جائیں گے، نفاذِ دین کے لیے باقاعدہ جدوجہد کی ضرورت نہ ہوگی، اُنہیں معلوم ہونا چاہیے کہ عید کبھی رمضان سے پہلے نہیں آتی۔ اسی طرح خلافت کا سنہرا دور واپس لانے کے لیے ہر پاکستانی مسلمان کو جان و مال کھپانا پڑے گا۔ کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ پاکستان ایک فلاحی اسلامی جمہوری ریاست بن جائے، تب ہی ہماری عید حقیقی عید ہوگی، تب ہی ہم باآوازِ بلند کہہ سکیں گے عید مبارک!

for God is assuredly with those who do righteous deeds" (29:69). Again, "Allah (SWT) guides not the froward or rebellious folk" (5:108). The Qur'anic metaphysical scheme binds up true knowledge and wisdom with virtue, character, and being — inner formation for information, so to say, is here the axial truth. Seeking the knowledge of truth is in this perspective more like a struggle and a participatory journey. On such a participatory journey, truth is not the formal correspondence of propositions with what is the case, but of persons with the real. A believer does not merely, if at all, *have truth*, like a scientist perhaps; but he must *be true* as must a seeker or a lover. On the Muslim's "straight path," truth is in submission *(islam)*. Understanding an imperative are both translations and derivatives of one root f-q-h, for understanding of truth and Law: *"Tafaqquh"* and *"Fiqh."* It alters the otherwise more philosophical account of knowledge as "justified true belief" by making the sense of justified Qur'anic. Belief is justified as it makes us just. The Islamic expression for it is jurisprudence — *Fiqh*, truth enshrined in the lawful life. Aphoristically put: To be right here one must be righteous. One can understand only with moral reformation. Knowledge in the Islamic episteme is firmly anchored to be purity of heart and moral rectitude. When our deeds match our thoughts we gain a disclosure situation for further truth. Truth cannot be disclosed to a soul marred and diseased by sin, since unless sound it cannot see.

As a matter of fact, in the Qur'anic epistemology great importance is assigned to heart in addition to sensory and rational knowledge. The Holy Qur'an clearly and at several places mentions the epistemic function of the heart — *lahum qulubun yaqiluna biha* (22:46): they have been given heart through which they should ponder and reflect. This means that axiology is the form of purity of heart and its discernment. Morality and religious truth, according to the Qur'an, are the formal entailments of being pure of heart. "Cogitating heart" means more of course then merely adding feeling to thought, so as to have "heart-felt" thoughts. The expression refers to a deep appropriation as a mode of cognizing. Deep appropriation demands that the words be put to practice; the thought must involve itself in action. Reality being unremittingly situational, thoughts and words must get situated in the sorts of real activity that pertain to their subject matter. They must get enacted so that the relevant concepts get exercised and the reader gets capacitated in order to begin even to apprehend the reality of which the words speaks. Otherwise, with the words "left on the lips" doubt defeats understanding and the reader remains an inert victim trapped in a realm of abstraction. From the Qur'anic perspective, epistemology is never detachable from its ethics. It is a theory in which knowing is always a function of doing. The knowledge of God is always a matter of obeying God. In early Islam it was axiomatic that one obeyed in order to know God. That is to say, apprehension constituted a fundamental component of knowledge and the role of activity in its acquisition was paramount. These are the grounds from which Ghazali set forth as an epistemic principle: "Whoever through his knowledge obeys God, his heart becomes illumined." Theology for him is not one of the abstract disciplines; rather here truth is learned in a never ceasing practice. In the Qur'an, heart is treated as both a cognitive source and an agency of motivational force for action and Compliance. Indeed, the deep and profound meaning of verse 93 of Surah Al-Mai'dah of the Holy Qur'an becomes clear only in this perspective. Allama Muhammad Asad, who in my judgment has to some extent captured the real significance of this verse, has translated it thus:

> Those who have attained to faith and do righteous deeds incur no sin by partaking whatever they may, so long as they are of conscious of God and (truly) believe and do righteous deeds and continue to be conscious of God and to belief, and grow ever more conscious of God, and persevere in doing good: for God loves the doers of good.

In the explanatory notes he writes that the repetition of the particle *thumma* refers to a sequence expressing growth and intensification. Hence he renders it in the first instance as "(they) continue to be" and, in the second instance, as "(they) grow ever more conscious of God." Dr. Israr Ahmad in his explication of this verse, has rightly tried to understand the deep structured meanings of this verse in light of the famous and authentic Hadith of Gabriel, in which the three levels of *islam*, *iman*, and *ihsan* have been very succinctly expounded by the Holy Prophet (SAW). At the first level, the level of *islam*, people are not asked to understand the unseen verities, rather simply to accept that they are there and

ol: 17 Regd. No. LRL -50 No. 39

Weekly **Nida-e-Khilafat** Lahore

Dr. Absar Ahmad

Performative Nature of Religious Truth
—The Activist approach of the Quran

In a previous issue of this magazine we published an American Muslim scholar's article entitled Six Approaches to the Quran". Our interest obviously concentrates mainly on the first two pproaches: those of Ordinary Muslims and Confessional Muslim Scholars. However, my submission s that this analysis essentially ignores and by-passes the activist, and dynamic approach to the truths ontained in the Holy Book. Based on a deeper understanding of the teachings of the Quran, Tanzeem-Islami and Nida-e-Khilafat have a particular vision both of the malady and remedy of the Muslims of the present age. Even though the decline of the Muslim Ummah, from what was once a prosperous nd dominant civilization to a morally decadent and morbid, intellectually effete, economically pathetic, and politically impotent group of people is a constant source of perplexity and anxiety to a vast majority of committed and concerned Muslims, very few of them have taken the trouble to nalyze this phenomena objectively and candidly. And in most cases, even this analysis at the ntellectual level is by itself no guarantee for real action and struggle in the world of hard facts, and hus majority of intellectuals in the Muslim world confine themselves merely lip-service to Islam. This magazine is perhaps unique in being both a theoretic mouthpiece of the essential Qur'anic message nd wisdom as well as a document containing strategic blueprint for Islamic revivalist struggle under he banner of Tanzeem-e-Islami and Tahreek-e-Khilafat, encompassing both personal religio-moral nhancement of the individual and collective effort to establish the Islamic order of polity and social justice.

Some presumably well-meaning and sincere Muslims claim that they have a unique passion to pursue change and reformation throughout the Muslim world. Very lofty ideal indeed! However, strangely enough they also insist on preferring to do things quietly and refuse to associate with any organized team-work which even allows a fair amount of indigence of judgment and opinion. In view of the fact admitted on all hands that an individual cannot possibly bring about the desired change even on a meager scale, is it anything else than self-deception and living in false consciousness? If those who would be smart without being practical — and either constituting or joining a group — are not prepared to reply to truth discovered, can we seriously avowed goals? Will not their judgment be colored by alternate aspirations, as their *will not* bends their *know that* ? Their *no* reveals disqualifying insensitivity, for the *will to know* in alliance with a *will not be better and practically dynamic* corrupts any power to know truth as it is joined to the good. Even for their religious scholars and experts who come somewhat less ambitiously, drawn by "knowledge for the sake of knowledge," something worries me about their indifference to collective action and reformation. Do we want knowledge without guidance? Then the hidden agenda is — what are our deepest motives? And it is here that the Holy Qur'an says: "Nay, man will be (on the Resurrection Day) evidence against himself, even though he were to put up his excuses (Qiyamah 75:14-15). It is not what a man says about himself, or what others say of him, that determines the final judgment about him. It is what he is in himself. His own personality and life-work betrays him or commends him.

There are still others whose tall claims do not at all match their deeds and personal lives. They simply forget the paramount truth that after we start to belief, Truth unquestionably places demands on us. But the chronology here is more probing, for submission *accompanies*, as much as *follows*, our progress, and is not merely the ending result of conviction but the entering road to it. Allah (SWT) made obedience and self-discipline (and also to a certain extent self-mortification) the pre-requisite for guidance when it is said in the Qur'an, "And those who strive for us in our way, We will guide them,